

آل محمد کاد نویانہ

و بُلْهَنْدَلْ

PDFBOOKSFREE.PK

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk



حلفاء

سیدہ عابدہ برجس

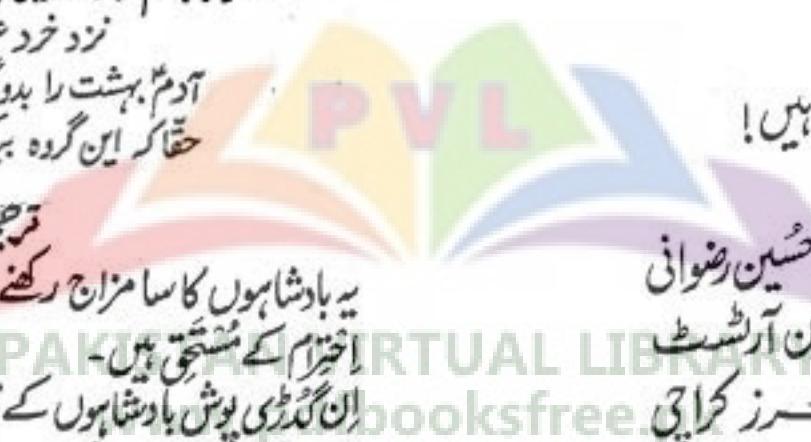
قومی ملوك طبع کر از روزے سلطنت
 گوئی کذا حرام سلاطین کشورند
 شاہان دلت پوش کر گاہ حمایتی
 زیر گلیمیشان جم و خاقان کشورند
 امروز از نیم جهان چشم دوخته اند
 فردا خود از کرشمہ بفردوں ننگرند
 منگر بر چشم خوار درایں پا برہنگان
 نزد خرد عزیز تر از دیده ترند
 آدم بہشت را بدوجندم اگر فروخت
 حقاًکر این گروہ بیک جو نمی خوند

جملہ حقوق

دانی طور پر حق ناشر محفوظ ہیں!

قریب
 یہ بادشاہوں کا سامراج رکھنے والے لوگ گویا بادشاہوں جیسے
 اخیرام کے مشحون ہیں۔
 ان گدڑی پوش بادشاہوں کے غلام بھی اپنی گدڑیوں میں جشید اور
 اور خاقان کا ساوقار چھپاتے پھرتے ہیں۔
 انہوں نے آج دُنیا کی نعمتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور کل
 یہ جنت کو آنکھد آٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔
 ان برہنے پا فقیروں کو حقارت کی ننگاہ سے نہ دیکھو۔ کہ عقل
 کے نزدیک یہ ان آنکھوں سے زیادہ محترم ہیں جن میں خوفِ الہی
 سے آنسو چکتے ہیں۔
 ہاں۔ اگر آدم نے جنت کو گیوں کے دو دانوں کے عوض بیچ دیا
 تھا۔ تو سچ جانو کہ یہ دیوانے جنت کو ایک جو کے عوض بھی نہیں خریدیں گے۔

نگران ————— رضا حسین رضوانی
 سرورق ————— محمد پارون آرٹسٹ
 مطبع ————— پرانما پرنٹریز کراچی



اُس کا اصل نام وَهِبْ بْن عَمْرُو۔ اور جاتے ولادت گوفہ
بیان کی گئی ہے۔ وہ بغداد کے ثروت مندوں میں سے تھا۔
بعض روایات میں اسے ہارون رشید کا قریبی رشتہ دار اور
برادر مادری لکھا گیا ہے۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے
شاگردوں میں سے تھا۔ اُس نے ان کے فرزند امام موسیٰ کاظم
علیہ السلام کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔

قاضی نوراللہ شوستریؒ کے بقول وہ ہارون رشید کے عہد
کے داشمندوں میں سے گزر ہے۔ جو کسی مصلحت کے تحت دیوانہ
بن گیا تھا۔ (محاجیہ المونین)

اُس کی دیوانگی کے بارے میں دو روایات مشہور ہیں۔
یہ بھی معروف ہے کہ اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ہدایت
پر دیوانگی کا لبادہ اور ٹھہر لیا تھا۔ اس طرح اس نے اپنی جان
بھی بچالی اور اس دور کے شاہی دربار کے لیے ایک ایسا نقاد
بن گیا۔ جو ہنسی ہی ہنسی میں انھیں آئینہ دکھاتا رہتا تھا۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ہارون رشید عباسی کی
مخاصلت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ تاریخ نے امام
عالی مقام کی پجورہ سال کی قید سخت اور زہر سے شہادت کا
ذمہ دار ہارون کو ہی ٹھہرایا ہے۔

ایک روایت کے مطابق۔ ہارون نے دیگر متنقی اور ناموؔ

نذرِ قارئین

قارئینؒ! جہلول تاریخ کا ایک ایسا یگانہ روزگار
کردار ہے۔ جسے آل محمدؐ کے مسجدے سے تعمیر کیا جاتے تو غلط
نہیں ہوگا۔ اس نام کے کئی اور لوگ بھی گزرے ہیں۔
لیکن جہلول سے مراد عموماً وہی شخص لیا جاتا ہے۔ جس نے
دیوانگی کا مفہوم بدل دیا اور دانش برہانی کے معنی سمجھا تے۔
تاریخ کے صفحات میں وہ واحد دیوانہ ہے۔ جو داناتے راز
ہے اور وہ تنہا پاگل کہلانے والا ہے۔ جو داشمندوں کو
حکمت و دانش سکھاتا ہے۔ اُس نے ایک ایسی انوکھی راہ
چھپی تھی۔ جو آج تک کسی کے قدموں سے پاہماں نہیں ہوتی۔
بہلول کی ب، پر پیش اور ه، پر جنم ہے۔ یہ نام
ہنس ٹکھ، سچے اور حاضر جواب لوگوں کے لیے استعمال ہوتا
ہے۔ جہلول کی ان ہی خوبیوں نے اس کا اصل فراموش
کر دیا تھا۔ وہ ہر جگہ جہلول ہی کہلوتا تھا۔ جس طرح
وہ پہنچنے والے میں ایک مقبول شخصیت تھا۔ اسی طرح ہر
دور میں وہ ایک پسندیدہ کردار رہا ہے۔ اس کی حکایات
دیکھیں اور شوق سے کہی اور سُنی جاتی ہیں۔

نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی دانشمندی اور ذہانت نے کبھی اس کا موقع
نہیں دیا کہ اس کے کسی لفظ پر گرفت کی جاسکتی۔

بُہلُوں کے حالاتِ زندگی تو دستیاب نہیں ہیں۔ لیکن اس کی حکایات کے مطالعے سے اس کے جو خدوخال ابھرتے ہیں۔ وہ ایک غیر معمولی ذمین، دانشمند اور طبیاع شخص کی نشانِ دہی کرتے ہیں۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک خُدار سیدہ عالم اور نابغہ روزگار تھا۔ وہ بہترین حُسن مزاح رکھتا تھا۔ اس دور کے حالات اور معاشرت پر اس کی نگاہ گھری تھی۔ وہ ایک حیرت انگیز شگفتہ برجستگی کے ساتھ اپنی دیوانگی کا بھرم بھی رکھتا تھا۔ اور دیوانی بات بھی نہیں کہتا تھا۔ اس نے دیوانگی اور فرزانگی کو کچھ ایسے سُجرا نہ انداز میں ہم آہنگ کیا تھا کہ وہ نہ صرف اس کی جان کی ضمانت تھی بلکہ مظلوموں کی حمایت کا ایک مؤثر ذریعہ اور حکومت وقت پر کھلی تنقید بھی تھی۔

اس کی شگفتگی، زندہ دلی اور بذله سخنی نے اسے ہر دور کا ایک ہر دلعزیز کردار بنادیا ہے۔ تاریخ کے صفحات میں وہ ایک ایسا محیرِ العقول کردار ہے۔ جو دیوانہ بھی ہے اور لوگ اس کے فضل و مکال کے قاتل بھی ہیں۔ وہ پاگل بھی کہلاتا ہے اور مشکل مسئلتوں میں اس کی رائے کو اہمیت بھی دی جاتی ہے۔ اس سب کے باوجود کوئی یہ ثابت نہیں کر پاتا کہ وہ دیوانہ نہیں۔

لوگوں کے ساتھ بُہلُوں سے بھی امام معصومؑ کے قتل کا فتویٰ طلب کیا تھا۔ بُہلُوں انصار کے نتائج سے خوب واقف تھا۔ اس لیے اُس نے امام موسیٰ کاظمؑ سے رہنمائی کی درخواست کی اور ان کی ہدایت پر دیوانہ بن کر اپنی جان بچالی۔

اس کے بارے میں دوسری روایت یہ ہے۔ کہ بُہلُوں کا جرم آل محمدؐ سے عقیدت اور ارادت مندی تھا۔ جو ہارون کے دور میں قابل گرد़نِ زدنی جرم قرار پایا تھا۔ جب بُہلُوں کو پتہ چلا کہ اسے عنقریب گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ تو اس نے اپنے دوستیوں کے ہمراہ امام معصومؑ سے قید خانے میں رابطہ کیا۔

حالاتِ زمانہ کے پیش نظر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس کے سوال کا جواب صرف ایک حرف 'ج' کی صورت میں دیا۔ جس سے بُہلُوں پُر جُنون، کے معنی 'منکِشِف' ہوئے۔ وقت اور حالات کے تقاضے کو سمجھتے ہوتے اس نے ایک ایسی پڑا ختم دیوانگی اختیار کر لی۔ جسے اس دور کی چلتی پھر تی اپوزیشن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

بُہلُوں بُرأت و بیباکی، حق گولی اور مظلوموں کی حمایت کا علمبردار تھا۔ وہ اس دور میں بادشاہ پر کھلے بندوں تنقید کرتا تھا۔ جب کوئی بادشاہ کے خلاف زبان کھونے کا تصور بھی

ہے۔ یہی اس کامال ہے کہ وہ درحقیقت آلِ محمدؐ کا دیوانہ ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں کرمان محمود ہمٹ کی جمع کردہ حکایات سے مدلی گئی ہے اور ہم اس کا اعتراف شکریہ کے ساتھ کرتے ہیں۔

بُسِيم اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱

سیدہ عابدہ نصیر

شہروں کے شہر بغداد کی پُر رونق شاہراہوں پر زندگی
اپنی مخصوص گھاگھمی سے رواں دواں تھی۔ لوگ بگ اپنے
روزمرہ کے معمولات میں صرف تھے۔ بازاروں میں خرید و فروخت
ہو رہی تھی اور گلی کوچوں میں لڑکے بالے کھیل کوڈ میں مگن
تھے۔ اچانک۔ اک شور اٹھا۔ چہار جانب اک ہلچل سی
چھ گئی۔ لوگوں نے وہب کو دیکھ کر انگلیاں دانتوں میں داب
لیں اور حیرت و استتعاب سے نیرنگی دوران کا کرشمہ
دیکھنے لگے۔

بغداد کا مشہور ثروت مند وہب بن عمرؓ جو عباسی خلیفہ

لہ عمرؓ اور عمرؓ کا فرق ظاہر کرنے کے لیے عمرؓ میں رکے بے
و لکھا جاتا ہے جو کہ پڑھا نہیں جاتا۔

میشم کا علیٰ درجہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ ان کے فرزند صالح کے اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجئے۔ امام نے فرمایا کیا تم نے اپنے والد سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح نے کہا نہیں۔ میں ان کی زندگی میں بہت کم سن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا صریحی مطلب یہ تھا کہ میشم نے امیر المؤمنینؑ سے اتنے علوم حاصل کئے تھے کہ اگر صالح کو ان سے استفادہ کا موقع ملتا تو انہیں کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

علم المنايا والبلايا

یعنی موتیوں کا علم اور ان واقعات و حادثات کا علم ہے میں ائمہ لاگ مبتلا ہوئے والے بھتے امیر المؤمنینؑ نے اپنے خاص الخاص اصحاب کو اس علم سے بہرہ مند کیا۔ میشم بھی اس علم کے امانت داروں میں سے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ انہیں کون قتل کرے گا اور کیونکر قتل کرے گا؛ وہ صرف اپنی ہی پیش آئے والی مصیبوں سے آگاہ نہ تھے بلکہ دوسروں پر جو پیش آئے والی تھیں ان کا بھی انہیں علم تھا۔ چنانچہ بنی اسد کی بزم میں ان کی ملاقات حبیب بن مظاہر سے ہوئی، دونوں دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے اسلام گفتگو میں حبیب بن مظاہر نے کہا، میں ایک بخشنہ سر اپنکم خپٹ کو دیکھ رہا ہوں جو دارالرُّزق

علوم کے حامل، آپ کے روز و اسرار کا خزن تھے ایسے روز دا سر احمد کا محفل بس وہی شخص ہو سکتا تھا جس کے ایمان کو اللہ نے پڑ کھ لیا ہو۔ امیر المؤمنین میشم کو اتنی اہمیت دیتے، اتنی عزت و توقیر فرماتے کہ بازار میں ان کے پاس بیٹھا کرتے آنے جانے والے آپ کو دیکھتے کہ ان سے مصروف گفتگو ہیں، ان کو تعلیم فرماتے ہیں، علوم الہیہ سے انہیں غصہ نا بکریہ ہیں۔ اہل علم و دیندار المؤمنین کی امیر المؤمنینؑ کی نگاہوں میں وہ قدر و منزلت بھتی اور اس طرح ان سے پیش آتے جیسے انہیں میں سے ایک ہوں۔ آپ ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے اور ہر کتاب میں ان کو برابر کا درجہ دیتے۔

علم

خداوند عالم اور اہل ایمان کے نزدیک کوئی شخص علم دین ہی کی وجہ سے سر بلند و سر قران ہوتا ہے جس کا جتنا علم ہو گا اسی لحاظ سے اس کا درجہ ہو گا میشم دین و شریعت کے بیش از بیش علم کے حامل ہونے اور علم کے مطابق عمل کرنے ہی کی وجہ سے سر بلند ہوئے۔ انَّ أكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَكُمْ، ان کا بچے پایاں علم اور امیر المؤمنینؑ سے الکتاب واستفادہ باوجود دیکھتے خفر مردات اس کے لیے انہیں لمی صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کی طبیعت پاکیزہ تھی۔ اور مبدی فرض کی طرف سے صلاحیت واستعداد لے کر آتے تھے۔

رہے تھے۔

اس کے برابر کھڑا ہوا ایک شخص بڑے غیر محسوس انداز میں مجمع سے علیحدہ ہوا اور اس کے پچھے پچھے چل پڑا۔ کچھ دُور تک دونوں اسی طرح چلتے رہے۔ پھر پہلے شخص نے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سے کسی اور کی موجودگی کا اندازہ لگایا اور غیر ارادی طور پر پچھے ٹڑکر دکھا۔ دوسرے شخص نے اپنے قدموں کو تمیز کیا اور اس کے برابر آگیا۔

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور محتاط ہجے میں بولا —

”اے مرد بزرگ! میں نے آپ کی باتوں میں آئسرا کو بولتے سنائے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہب کی دیوانگی میں جو حکمت پوشیدہ ہے آپ اس سے واقف ہیں۔ آپ مجھے خُدا رسیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ میں آپ جیسے لوگوں کی گفتگو میں اپنے لیے ہدایت و رہنمائی تلاش کرتا ہوں — کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ مجھے وہب کی حالت کی کچھ خبر دے دیں؟“

اس مرد بزرگ نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ اور بے نیازی سے کہا — ”اے بندہ خدا! تو کسی عظیم غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتا ہے۔ جا اور اپنی راہ لے۔ مجھے بھلا وہب سے کیا سروکار؟“

مگر اس شخص نے پچھا نہیں چھوڑا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بولا — ”میں خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا ہارون رشید اور اس کے حواریوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ان تین اشخاص میں سے ایک ہیں۔“

”بَرَدْجَشْمٌ—آپ میرے ہمراہ تشریف لے چلیے
— میری زوجہ مدینے کی ہے اور آلِ محمدؐ کی آزادگردہ
کنیز ہے — ہماری دولتِ مودّتِ اہل بیتؐ ہے —
آپ جیسی چاہیں مجھ سے قسم لے لیں ”— جیسا چاہیں اطمینان
کرتیں ”— اس نے پوری سچائی سے کہا۔

مردِ بزرگ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو اس کے
لغظوں کی تائید کر رہی تھیں اور کچھ سوچ کر اس کے ساتھ
روانہ ہو گیا۔ اس کے گھر پہنچ کر جب اس نے اچھی طرح
سے اطمینان کر لیا کہ اس کی گفتگو غیر حفوظ نہیں ہو گی۔

تو بولا :

”سُن—اے بندہ خدا — !!! تو حالاتِ زمانہ کو
جانتا ہے اور تجھ سے یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ لوگوں کی
بہمدردیاں عبادیوں کو اس لیے حاصل ہوئی تھیں کہ
انکھوں نے آلِ محمدؐ کی حمایت اور اعانت کا لغڑہ لگایا
تھا۔ ان کا حق ان تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر
افسوں کے انکھوں نے نہ صرف آلِ محمدؐ کا حق نہیں پہچانا
— بلکہ لوگوں کی ان کے ساتھ عقیدت اور محبت دیکھ کر
انھیں اپنی سلطنت کے لیے خطرہ تصور کرنے لگے۔ ”
”اُن کے دن رات اسی کوشش میں صرف ہوتے

جنخوں نے امام موسیٰ بن جعفرؑ — میرے ماں باپ ان پر
قدا ہوں — سے قید خانے میں رابطہ کیا تھا اور وہب
بھی اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ ”

وہ مردِ بزرگ ٹھیٹھک کر رک گی اور خشمگین ہیجے
میں بولا — ”اگر تو اتنا کچھ جانتا ہے تو پھر میرے پیچھے
کیوں پڑا ہے — مجھے میرے بیان کی کیا حاجت ہے؟ ”
”میں اہل بیتؐ کا دوست دار ہوں — میں اس کٹھن
وقت کی سختیوں سے واقف ہوں جو آلِ محمدؐ کے بھی خواہوں
کو درپیش ہیں — امام وقت موسیٰ بن جعفرؑ مسلسل قید
میں ہیں — زندان کے دربانوں کی ان پر سختیاں دیکھ
کر دل خون کے آنسو رفتا ہے — مگر افسوس کہ ہم
بے بس ہیں اور شاید بُزدل بھی — یقیناً خدا کے یہاں
ہم اس کے لیے جواب دہ ہوں گے — ان سے رابطہ
کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ — مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ نے
کسی طرح ان سے رابطہ کیا ہے — تو میں نے سوچا آپ سے
ہدایت اور بصیرت حاصل کروں ”

وہ مردِ بزرگ گومگوکی سی کیفیت میں کچھ سوچتا رہا
پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا — ”اگر تم سچ کہہ رہے ہو
— تو اُسے ثابت کرو ”

یہیں کس قدر سختی ہے کہ انھوں نے مٹی کی اس ٹھیکری پر حروفِ تہجی میں سے صرف ایک حرف لکھا تھا۔ ”وہ کیا“ — ؟ اس شخص نے بے تاب ہو کر سوال کیا۔

”اس ٹھیکری پر حرف ”جِنِم“ لکھا ہوا تھا — فرنڈِ رسولؐ کے عطا کردہ اس ایک حرف نے ہم پر حکمت کے دروازے کھول دیے — ہمیں اپنی مشکل کا حل از خود میل گیا جو ہمارے حالات کے ساتھ میل کھاتا ہے۔ ہمارا تیسرا ساتھی، جس کا نام ظاہر کرنا ضروری نہیں، اس نے ”ج“ سے ”جلادِ وطنی“ مژاد لیا — وہ آج رات یہ شہر چھوڑ دے گا — میرے وجدان میں ”ج“ سے ”جبل“ کا انکشاف ہوا ہے — میں پہاڑوں پر اپنے آبائی مکان میں پناہ لوں گا — اور ہمارے دوست وہب بن عمر و کے یہیے یہ حرف ”ج“ جُون کی علامت بنائے — اور تم دیکھو گے کہ آلِ محمدؐ کے اس دیوانے کی دیوانگی فرزاں کو شرم دے گی۔“

۲

وہب بن عمر و پھوں کے ہجوم میں بچہ بنا ہوا —

یہیں کس طرح امام موسیٰ بن جعفرؑ سے لوگوں کی توجہ ہٹا سکیں۔ اسی لیے یہ ہر اس شخص کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں جو آلِ محمدؐ سے عقیدت رکھتا ہے — ہمیں یہ اطلاعات برابر مل رہی تھیں کہ ہم محبّتِ آلِ محمدؐ کے جرم میں عنقریب ہارون کے زیرِ عتاب آنے والے ہیں۔ اسی لیے ہم نے باہم مشورہ کیا لیکن کچھ سمجھو میں نہیں آیا۔ ”بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے رہنمائی حاصل کی جائے — ان کی قید کے احوال سے تو تم واقف ہو کہ ان کے دربان چُن چُن کر شقی القلب اور دشمن اہلیت رکھے جاتے ہیں — ان سے ملنے پر سخت پابندی ہے — لیکن کسی نہ کسی طرح ہم نے اپنا مستلم ان کی خدمت میں پہنچا ہی دیا۔“

”اگلے روز صحیح صادقؑ کے وقت زندان سے مٹی کی ایک ٹھیکری گری — ہم پہلے ہی اس تاک میں تھے — ہم نے بڑی رازداری سے وہ ٹھیکری اٹھالی — میں قربان جاؤں اپنے امامؑ پر“ — اس کا بھر گلوگیر ہو گیا اور وہ ڈک کر آنسو پوچھنے لگا — دوسرے شخص کی آنکھوں سے بھی آنسو گرنے لگئے —

اس مردِ بزرگ نے سرداہ بھری — ”اماں پر قید فلانے

ڈ آئے۔ میرے گھوڑے کا مزاج شاہانہ ہے۔ کسی کولات
مار دی تو مجھے نہ کہنا۔
بچے ہنسنے اور تالیاں بجانے لگے۔ وہب نے دیوار
کے ساتھ ٹیک لگائی اور گہرا سانس لے کر بولا۔ ”اچھا
دostو!۔ اب مجھے کمر سیدھی کرنے دو اور تم اپنے اپنے
گھروں کو جاؤ۔“

بچے کچھ دیر اس کے ساتھ چھیر خانی کرتے رہے۔ جب
وہب نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ تو وہ ایک
ایک کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ وہب نے
اسی کھنڈر میں ڈیرا جمالیا۔

اس کے گھروں لے پریشان ہوتے۔ اس کے عزیزِ شترار
کشٹھے ہوتے اور لوگوں سے پوچھتے، معلوم کرتے اسی کھنڈر
تک آپنے بچے بھیجا۔ وہب نے بسیرا کیا تھا۔ دیکھا کہ وہ نگی
زین پر اپنے بازو کا نگیہ بناتے چین کی نیند سورہا ہے۔
اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے عزیزوں کی آنکھوں میں آنسو
آگئے۔ کچھ اظہارِ افسوس کرنے لگے۔ ایک نے بھک کر اس کا
شانہ ہلایا۔ ”وہب۔ وہب۔ !! انھو۔ جُون کی
اس نیند سے جاؤ۔ آنکھیں کھولو۔“

وہب ہوشیار ہوا اور اس نے نیند سے بھری آنکھیں

دیوانوں کی سی حرکتیں کرتا۔ بالآخر ایک دریائے میں آن
اُترا۔ وہ بچوں کے ساتھ ساتھ دور کر ہاپ گیا تھا اور کچھ
تحکاوٹ بھی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے عصا کے فرضی گھوڑے
پر سے اُترا اور بچوں سے بولا۔

”میرا گھوڑا تھک گیا ہے۔ اسے جھوک بھی لگی ہے
۔ اب یہ آرام کرنا چاہتا ہے۔“ اس نے عصا کو گھوڑے
کی طرح چمکار کر کھنڈر کی شکستہ دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا
۔ بچے کھکھلا کر ہنس پڑے۔ ”اے وہب!۔ کیا تمھارا
گھوڑا گھاس کھاتا ہے۔؟“

”ہاں۔ ہاں۔ یہ تمھاری عقل کے ساتھ ہر روز گھا
چرنا جاتا ہے۔“ وہب نے شوخی سے جواب دیا۔
”اچھا۔ اور یہ پانی بھی پیتا ہے۔“ بے ایک اور
شریر بچے نے سوال کیا۔

”ہاں۔ یہ پانی بھی پیتا ہے۔ مگر تمھارے خلیفہ
کے پیمانے میں۔“ وہب ہنسا۔
”بچے بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئے اور محل
چھل کر بولے۔ ”اے وہب!۔ ہمیں بھی اپنے گھوڑے
کی سواری کراؤ۔“

وہب نے انھیں پرے دھیکلا۔ ”جذردار۔ کوئی قرب

”بیمار توبہ ہی ہیں۔ علاج کی کس کو ضرورت نہیں
— وہب پنسا اور رازداری سے بولا — ”تم خود ہی کہو
— کیا خلیفہ کیا وزیر کیا کتوال اور کیا داروغہ۔ ان میں
سے کون ہے۔ جسے علاج کی ضرورت نہیں“
”ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ جگہ تمہارے
شایان شان نہیں“ — اس کے رشتہ دار پریشان ہو گئے۔
”بھلا یہ میرے شایان شان کیوں نہیں۔ یہ خلیفہ
کے محل سے تو بہتر ہے کہ روزِ عشر مجھ سے اس کے باسے
یہ کوئی باز پُرس تو نہیں ہوگی“
اس کے رشتہ دار رنج ہو گئے۔ انہوں نے بہتیری
کوشش کی کہ اسے گھر لے جائیں اور اس کے جنون کا کچھ علاج
ہو جائے۔ لیکن وہ قطعاً رضامند نہیں ہوا۔

۳

اب وہ فرشِ خاک، تلکستہ دیواریں اور گھل آسمان
ہی اس کا گھر تھا۔ وہ آرام و آسائش سے بے نیاز ہو گیا تھا
نعمتِ پائے دُنیا سے اس نے مُسنه موڑ لیا تھا۔ اسے رشتہوں
اور قرابتوں کی پرداہ نہیں رہی تھی۔ وہ روکھے سوکھے چند
ٹکڑوں پر گزد بسر کرتا تھا اور ننگی زمین پر اپنے بازو کے
۲۱

کھول کر اربنے چاروں طرف جمع شناساً پھر وہ کو دیکھا جن پر
ڈکھ اور تنفس کی لکیریں تھیں۔ وہ ہمدردی سے اس کی
طرف دیکھ رہے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ وہب نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔
”وہب اٹھو۔ گھر چلو“ — ایک عزیز نے قریب بیٹھ
کر اس کی عبا سے گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔
”یہ بھی تو گھر ہے“ — وہب نے کھنڈر کی ٹوٹی ہوتی
دیواروں کی طرف اشارہ کیا — ”بھلا اس میں کیا کسی ہے
— نہ ہمسائے کا جھگڑا۔ تھا مالکِ مکان کا خوف۔ نہ
دربان کی مصیبت۔ نہ چور کا ڈر“
”کیسی باتیں کر رہے ہو وہب“ — کوئی اُنیسیت
سے بولا —

”میں تمہاری زبان ہی تو بول رہا ہوں“ — وہب
نے جواب دیا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے“ — کوئی بولا۔
”میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ میں بہت منے
ہوں“ — وہب نے کمال بے نیازی سے جواب دیا
”نہیں۔ تم بیمار ہو۔ تمہیں علاج کی ضرورت ہے“
— کسی عزیز نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

۲۰

ایک بدگدار شخص نے اس کا مذاق اڑانے کو شرارت سے کہا : —

”اے وہب ! — کیا تو نے کبھی شیطان کو دیکھا ہے ؟ میرا بہت جی چاہتا ہے کہ میں شیطان کو دیکھوں ۔“
”تیری یہ خواہش تو بڑی آسانی سے پوری ہو سکتی ہے“ — وہب نے سنجیدگی سے جواب دیا ۔

”وہ کیس طرح“ — یہ اس شخص نے پوچھا ۔
”تیرے گھر میں آئینہ تو ہو گا — اگر نہیں تو صاف پانی میں دیکھ لینا — مجھے شیطان کی زیارت ہو جائے گی“
— اس شخص کو بھاگتے ہی بن پڑی ۔

تیکے پر چین کی نیند سوتا تھا ۔
وہ بچوں کا سب سے زیادہ دوست تھا — ان کی معصومیت اور منحچلا پیں اسے بھاتے تھے ۔ وہ پہروں ان کے ساتھ بچکانہ حرکتیں کرنے میں مصروف رہتا اور کھلیل کو دیں انھیں کام کی باتیں بتاتا — کوئی راہ گیر لے مخاطب کر لیتا یا کوئی جاننے والا اس سے پوچھتا : —
”وہب ! تم نے یہ کیا حالت بنالی ہے“ ۔
تو وہ بڑی شکستگی سے کوئی ایسی پہلو دار بات کہہ دیتا ۔ جو مخاطب کو محفوظ کرتی ۔ یہ کن بے معنی نہیں ہوتی تھی ۔ غور کرنے پر اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ نظر آتی تھی ۔

اس عالمِ دیوانگی میں پورا شہر اس کی دسیس میں تھا ۔ وہ اپنے من کی موج میں جہاں چاہتا پہنچ جاتا اور جس کو چاہتا اپنے شکفتہ لفظوں میں آئینہ دکھا دیتا ۔ عوامِ شکل میں ہوتے تو ہنسی ہنسی میں ان کا مسئلہ حل کر دیتا ۔ اور اگر خواصِ حدود سے تجاوز کرتے تو باتوں باتوں میں انھیں لگام دے دیتا ۔ اس کی بذلہ سنجی میں چپی ہوئی ذہانت اور دانشمندی آہستہ آہستہ لوگوں کو قابل کرنے لگی ۔

BAKSTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اُن ہی دنوں امیرِ کوفہ اسحاق بن محمد صباح کے یہاں لڑکی کی ولادت ہوئی ۔ پستہ چلا کہ وہ لڑکی کی پیدائش پر بہت رنجیدہ ہے ۔ کسی سے نہیں ملتا ۔ نہ ہی مبارکباد وصول کرتا ہے ۔ وہب کو خبر ہوتی تو وہ اپنی گذری شانے پر ڈالے اس کے یہاں پہنچا اور بولا : —

”اے اسحاق ! میں نے سُنا ہے کہ تو لڑکی کی پیدائش پر بہت افسردہ ہے ۔ نہ کھاتا ہے ۔ نہ پیتا ہے ۔“
”کیا کروں ۔ دل ہی نہیں چاہتا“ — وہ ٹھنڈی سانس

ما یوس ہو کر اسے ٹوکا — "او دیوانے ! - یہ کیا کرنے ہے ہو ؟
 جو توں سمیت نماز نہیں ہوتی " —
 " نماز نہیں ہوتی تو نہ ہو — مگر جو تے تو ہوتے ہیں " —
 وہب نے جواب دے کر نیت باندھ لی ۔

○
 وہ گلیوں اور بازاروں میں اپنے معصوم ساتھیوں کے
 ساتھ چھلکیں کرتا پھرتا ۔ کہیں کوئی غیر معمولی بات دیکھتا ۔
 تو وہیں ڈک جاتا اور اپنی بذکہ سُنجی سے لوگوں کو ہنسنے،
 شکرانے پر مجبور کر دیتا ۔

○
 ایک روز وہ اپنے شری ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جا رہا
 تھا کہ اس نے سر بازار ایک جمع لگا ہوا دیکھا ۔ اس نے
 اپنی چھڑی کھٹکھٹائی ۔ لوگوں کے کندھے دباتے ۔
 کسی کی بغل میں جھانکا ۔ کسی کو پرے ہٹایا اور ہجوم کے
 درمیان سر جانکالا ۔

○
 لوگوں نے اسے دھکے دیے ۔ بُرا بھلا کہا ۔ لیکن
 اس نے پروا نہیں کی ۔ دیکھا کہ شہر کا داروغہ ایک عجیب
 دعویٰ کر رہا ہے ۔

" اے لوگو ۔ ! میری بات غور سے سنو ۔ میں ایک
 ایسا ہو شیار آدمی ہوں کہ مجھے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا ۔ "

بھر کر بولا ۔ " مجھے بیٹے کی بڑی آرزو تھی ۔ مگر افسوس کے
 اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکی دے دی ۔ " —
 " کمال ہے ۔ " وہب نے بے ساختہ کہا ۔ " تو اس پر
 راضی نہیں کہ اللہ نے تجھے صحیح و سالم بیٹی دی ہے ۔ اگر
 وہ تجھے مجھے جیسا پاگل بیٹا دے دیتا تو پھر ۔ " ؟
 اسحاق کو اس کی بے ساختگی پر ہنسی آگئی ۔ لیکن
 وہ اس کی تہ میں چھپی ہوئی حکمت کو جان گیا اور خدا کا
 شکر بجا لایا ۔ اپنا سوگ توڑا اور لوگوں کو اجازت دی کہ
 وہ اس کے پاس تبریک پیش کرنے کے لیے آئیں ۔

○
 وہ اپنی دیوانگی کے باوجود نماز کے وقت مسجد میں پہنچ
 جاتا تھا ۔ ایک روز ابھی اس نے جو تے نہیں آتارے تھے
 کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس تاک میں ہے کہ
 اس کے جو تے چڑائے ۔ وہب بہت دیر اس انتظار میں
 رہا کہ وہ شخص ادھر ادھر ہو ۔ تو وہ اپنے جو تے آتار کر نماز
 میں شامل ہو ۔ مگر وہ نہیں طلا اور نماز کے لیے صافیں
 درست ہو گئیں ۔

○
 وہب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ۔ دوڑ کر آگے بڑھا اور
 جو توں سمیت ہی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا ۔ اس شخص نے

”او دیوانے—داروغہ صاحب کی عقل کے سامنے بھلا
تیری کیا حقیقت ہے؟“—کسی اور نے آوازہ کسا۔
داروغہ نے موچپوں کو تاؤ دیا—”ہاں—ہاں—تم
جیسا پاگل تو مجھے ضرور دھوکا دے سکتا ہے“—
”میں پاگل ہوں یا کچھ۔ اگر مجھے اس وقت ایک ضروری
کام نہ ہوتا تو میں آپ کو اسی وقت ایسا بھانسا دیتا کہ آپ
اور آپ کے یہ پچھے ہمیشہ یاد رکھتے۔“
”بڑی اونچی ہواوں میں ہومیاں دیوانے—مجھے کوئی
جلدی نہیں ہے۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔ تم اپنا کام کر کے
واپس آؤ اور اپنے دعوے کو ثابت کرو۔“ داروغہ نے ڈٹ
کر کہا۔

”بیشک! بیشک!—!! داروغہ جی! آپ بالکل درست
فرماتے ہیں۔“
”مرحباً—مرحباً—کیا کہنے۔!! داروغہ کا دعویٰ
بالکل حق ہے۔“
”کسی کی کیا مجال کہ داروغہ صاحب کو دھوکا دے
سکے۔“ جمع میں سے اس کے خوشامدی بھاث بھاث
کی بویاں بولنے لگے۔ ہر طرف سے داد تھیں کے نعرے
بلند ہو رہے تھے۔
وہب نے اپنی چھپڑی زمین پر زور سے مار کر انھیں
اپنی طرف متوجہ کیا اور بولا۔ ”داروغہ جی! مجھے بھی کچھ
کہنے کی اجازت ہے؟“
”اپھا۔ تو تم بھی بولو گے۔“ بولو۔ کیا کہتے
ہو؟ اس نے نخوت سے کہا۔

وہب نے سنجیدگی سے کہا۔ ”داروغہ جی! گستانی
معاف! یہ دیوانہ آپ کے اس دعوے کو چھپکیوں میں باطل
کر سکتا ہے۔ مگر یہ کوئی ایسا مفید کام نہیں، جس پر
وقت ضائع کیا جائے۔“
”اس کی صورت دیکھو ذرا۔ اور اس کا دعویٰ دیکھو۔
کسی نے متسخر سے کہا۔“

ہوش ربان حقائق نے خوام کو اس کے قریب کر دیا۔ وہ کسی
کو ستاتا تھا، نہ پریشان کرتا تھا اور نہ نقصان پہنچانا تھا،
البتہ اپنے جنون میں اپنی دانشمندی کو چھپائے ہر وقت لوگوں
کی مدد کرنے کو تیار رہتا تھا۔

جلد ہی وہ بغداد کا ایک ایسا پسندیدہ گردار بن گیا کہ
لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے اور محبت سے اسے بُہلوں کپٹے
لگے۔ جس کے معنی ہیں ہنس مکھ، خوب صورت اور
نیکیوں کا مجموعہ۔

بُہلوں کا لفظ عموماً چھٹکے باز، حاضر جواب اور سچے
لوگوں کے یہ استعمال ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ نام یوں
زبان زدِ عام ہو گیا کہ اس کا اصل نام فراموش ہو گیا۔ اب
کوئی بھی اس سے وہب نہیں کہتا تھا۔ وہ سب کے لیے
بُہلوں تھا اور سب کا بُہلوں تھا۔ اس کی دانانی اور
حکمت نے اسے ایک پاگل اور دیوانے سے بڑھ کر عاقِل و
دانان مشہور کر دیا تھا۔

پاروں رشید تک یہ خبر میں مُستوار پہنچ رہی تھیں کہ اس کا
رشتہ دار وہب بن غفران دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس نے دُنیا کی
۲۹

لوگوں نے بھی محسوس کیا کہ وقت گزرتا جا رہا ہے اور
وہب کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں۔ مگر انہوں نے
داروغہ کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ ”داروغہ جی! وہ ہے
بھی تو دیوانہ۔ راہ میں کہیں بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ
گیا ہو گا۔“

کچھ اور وقت گزرا۔ لیکن وہب واپس نہیں آیا۔
جمع میں چ میگوئیاں ہونے لگیں۔ آنکھوں آنکھوں میں
شارے ہونے لگے۔ کچھ ہونٹوں پر مسکلا ہیں بھی نمودار
ہوتیں۔ بعض لوگ اکتا کر گھروں کو جانے لگے۔

داروغہ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ پاگل وہب اسے پاگل
بنانکر چلا گیا ہے اور اب وہ پلٹ کر نہیں آئے گا۔
وہ نجھل ہو کر بڑھایا۔

”یہ پہلی بار ہے کہ مجھے کسی نے دھوکا دیا ہے۔“
”اور وہ بھی ایک دیوانے نے۔“ جمع میں کسی
نے بے ساختہ کہا تو قہقہوں سے فضا گونج اٹھی۔

○
جلد ہی وہب کی اس بذلہ سنجی، شوخی، ذہانت اور
شگفتہ دانش مندی کا سارے شہر میں شہر ہو گیا۔ اس کی
دیوانگی میں چھپی ہوئی فزانگی اور اس کے پاگل پن میں پوشیدہ
۲۸

لیکن وہ کسی طرح رضا مند نہیں ہوتا" — وزیر نے جواب دیا۔
 "کھاتا پیتا کہاں سے ہے اور دن بھر کیا کرتا رہتا ہے"
 — ہارون نے استفسار کیا۔

"اس کے عزیز اسے کھانا پہنچاتے تو ہیں — مگر وہ صرف روکھی سوکھی پر ہی گزارا کرتا ہے — بعض اوقات خود بھی مزدوری کر لیتا ہے — اس نے ایک کھنڈر میں ڈیرہ جمار کھا ہے — دن بھر لڑکوں بالوں کے ساتھ دوڑتا پھرتا ہے — کبھی کبھی خوب مسخرہ پن کرتا ہے — جس سے مخفی ایک پالک نظر آتا ہے — مگر بعض اوقات ایسی پتے کی بات کہہ جاتا ہے — کہ شنسنے والے دنگ رہ جاتے ہیں" — وزیر نے تفصیل سے جواب دیا۔

"حضور اگر اجازت دیں — تو میں عرض کروں کہ اس نے کل کیا کیا ہے" — ایک درباری نے مودب بھی میں پوچھا۔

"اجازت ہے" — ہارون نے اجازت دی۔
 "مکہ بغداد کے بڑے بازار میں ایک فقیر نانبائی کی دکان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اس نے انواع و اقسام کے کھانے چولہوں پر چڑھا رکھے تھے۔ جس سے بچاپ نخل رہی تھی۔ ان کھانوں کی خوشبوان کی لذت کا پتہ دے رہی تھی

شان و شوکت سے مُنڈے موڑ کر خاک نشینی اختیار کر لی ہے۔ وہ اپنی گدڑی میں مست ویرانے میں بیٹھا رکھی سوکھی پر گزارہ کرتا ہے — مگر ہارون کو یقین نہیں آیا — اس نے صحیح صورت حال جانتے کے لیے اپنے مُقریبوں کو بُلایا — "پچھو وہب بن عمر کا حال کہو — ہم نے سنا ہے کہ وہ دیوانہ ہو گیا ہے" —

"عالی جاہ — اب تو اسے وہب کوئی بھی نہیں کہتا۔ اب تو بچہ بچہ اسے بُہلوں کہتا ہے" — ایک امیر نے اطلاع دی —

"اچھا" — !!! ہارون نے دلچسپی سے پوچھا — "یہ نیا خطاب اسے کس نے دیا ہے" — ؟

"ظلِّ الہی — ! وہ ہنسنگھ تو پہلے ہی تھا — دیوانی" نے اسے کچھ اور بھی خوش طبع بنادیا ہے — اب تو وہ بعض اوقات مسخزوں کی سی حرکتیں کرنے لگتا ہے — لوگوں کو ہستاتا اور خوش کرتا ہے — اس لیے سب اسے بُہلوں کہنے لگے ہیں" — امیر نے وضاحت کی۔

"پسوں" — !!! ہارون نے غور کرتے ہوئے کہا — "اسے کسی طبیب کو دکھایا ہے تاکہ اس کا کچھ علاج ہو جائے" —

"عالی جاہ — ! اس کے گھر والوں نے بہت کوشش کی ہے

کی کوشش کی ہے تو اس میں تیرا کیا چلا گیا ہے جس کی میں
قیمت ادا کروں ”— فقیر نے پریشان ہو کر کہا۔

”بس—بس—!!! اب ادھر ادھر کی باتیں مت کر
— میں تیری جان ہرگز نہیں چھوڑوں گا — میں اپنا مال
وصول کر کے رہوں گا ”— نابانی نے اس کا گریبان پکڑایا۔
فقیر بچارا پریشان ہو گیا کہ اس ہٹے کئے نابانی سے کس
طرح جان چھڑاتے۔ ان کی تکرار بڑھتی جا رہی تھی۔ کہبُلُوں
ادھر سے گزرا اور ان کے قریب رُک کر ان کی باتیں سُستنے لگا
فقیر نے اپنا ہمدرد سمجھ کر ساری بات اسے سُنائی۔ تو وہ نابانی
سے بولا۔ ”بھائی! یہ تو بتاؤ کہ کیا اس غریب آدمی نے تھا
کہا کہا ہے ”

”میں کھانا تو نہیں کھایا — مگر میرے کھانے کی
بھاپ سے فالدہ تو اٹھایا ہے — میں نے اسی کی قیمت
مانگی ہے — یکن اس کی سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آتی ”—
نابانی نے بتایا۔

”بالکل درست کہہ رہے ہو بادر۔ بالکل درست ”—
بہبُلُوں نے سر ہلایا اور اپنی جیب سے مٹھی بھر سکے نکالے۔
وہ ایک ایک کر کے ان سکوں کو زمین پر گراتا جاتا اور کہتا جاتا۔
”نابانی۔ نابانی۔ یہ لے پیسوں کی آواز پکڑ لے — یہ لے

اور ار د گرد گزرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔
”بچارے فقیر کا دل بھی للچایا۔ یکن غریب کی گرہ
میں مال کہاں تھا۔ جوان کھانوں کی لذت خرید سکتا —
مگر وہاں سے ہٹنے کو بھی اس کا دل نہیں چاہتا تھا —
کھانوں کی خُشبو اس کی بھوک بڑھا رہی تھی۔ بالآخر اس
نے اپنے تحیلے میں سے سُوکھی روٹی نکالی اور کھانے کی دیگ
کی بھاپ سے اسے نرم کر کے کھانے لگا، جس میں کھانے کی
خُشبو بسی ہوئی تھی۔

نابانی چُپ چاپ یہ تماشا دیکھتا رہا۔ جب فقیر کی
روٹی ختم ہو گئی اور وہ چلنے لگا — تو نابانی نے اس کا راستا
روک لیا — ”کیوں او مُسٹنڈے — کہاں بھاگا جاتا ہے
— لا میرے پیسے نکال ”—

”کون سے پیسے ”— ؟ فقیر نے ہٹک دک ہو کر پوچھا۔
”اچھا۔ !!! کون سے پیسے ”— اس نے لفظ چبا کر
اگھے — ”ابھی جو تو نے میرے کھانے کی بھاپ کے ساتھ روٹی
کھائی ہے — وہ کیا تیرے باپ کی تھی۔ اس کی قیمت کون
چکائے گا ”—

”عجیب انسان ہوتم — وہ بھاپ تو اڑ کر ہوا میں مل
رہی تھی — اگر میں نے اس کے ساتھ روٹی کھا کر خود کو بہلانے

کہاں سے سونے کا ایک سلگ پایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بھجوں کی طرح کھیں رہا تھا۔ کبھی وہ اس کو انگلی پر نچاتا تھا۔ کبھی ریت سے صاف کرتا اور کبھی پہنی کی طرح گھماتا۔ ایک نوسراز اس کا یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے پہل سمجھ کر کہا۔ ” تمہیں اس ایک سکے سے کھیلنے میں مزہ تو نہیں آرنا ہوگا۔ تم یہ سکہ مجھے دے دو۔ میں اس کے بدلتے میں تمہیں دس سکے دوں گا۔“ اس نے جیب سے سکے نکال کر بہلوں کو دکھاتے۔

” ٹھیک ہے۔ میں یہ سکہ تمہیں ابھی دے دیتا ہوں مگر ایک شرط پر۔“ بہلوں نے کہا۔

” وہ کیا؟“ نوسراز نے پوچھا۔

” پہنے تو گدھے کی طرح ڈھینپھوں ڈھینپھوں کی آواز نکال۔“ بہلوں نے شرط رکھی۔

اس دھوکے باز نے سوچا کہ اس دیوانے کے سامنے گدھے کی آواز نکالنے میں کیا حرج ہے۔ اس لیے وہ ثروء ہو گیا اور گدھے کی طرح رینکنے لگا۔

بہلوں ہنسا۔ ” عجَب گدھے ہو جھنی تم۔ کہ تم نے میرے سونے کے سکے کو فوراً پہچان لیا اور میں گدھا بھی نہیں۔ تو بھلا میں تمہارے تابے کے سکے کیوں نہ پہچانتا۔“

اپنے کھانے کی بھاپ کی قیمت! ان سکوں کی کھنک ہیں جوں کر لے۔ لے لے۔ لے لے۔ یہ سکوں کی آواز تیرے گھلنے کی خوبیوں قیمت ہے۔ اسے اپنے گلک میں ڈال لے۔ ارد گرد کھڑے ہوئے لوگ ہنس بہنس کر دوہرے ہو گئے۔ ” نانیا! اپنی خفت مٹانے کو بولا۔“ یہ پسیے دینے کا کون ساطریقہ ہے؟“

بہلوں نے جواب دیا۔ ” اگر تو اپنے کھانے کی بھاپ اور خوبیوں سے گا۔ تو اس کی قیمت تجھے سکوں کی آواز کی صورت میں ہی ادا کی جائے گی۔“

” بہت خوب! !! ہارون محفوظ ہو کر ہنسا۔“ والد یہ کسی دیوانے کا فیصلہ تو معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں تو غیر معمولی دانش چھپی ہوئی ہے۔ لگتا ہے کہ اس کی دیوانی نے اس کی دانش کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔“

” عالی جاہ۔ بجا فرماتے ہیں۔“ بہلوں حرکتی تو پاکلوں کی سی کرتا ہے۔ مگر اس کی باتوں میں اس کی دانش بولتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک واقعہ حضور کی سماعت کی نذر کروں۔“ ایک دوسرے درباری نے کہا۔

” اجازت ہے۔“ ہارون نے اذن دیا۔ ” ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ اس نے نہ جانے

اگر خدا مجھے واپس لے آیا۔ تو میں اپنی آمادت تم سے واپس لے لوں گا۔ مگر افسوس کہ قضا اس کی تاک میں تھی۔ راستے میں اس کا استقال ہو گیا۔ ہم یتیم اور بے آسرا ہو گئے ہم نے اپنے باپ کی آمانت قاضی سے مانگی۔ تو وہ کہنے لگا کہ۔ تمہارے باپ نے میرے ساتھ جو قول کیا تھا۔ اس کے مطابق، میں جو سیرا دل چاہے گا۔ وہ تمھیں دوں گا۔ اس لیے یہ سوا شرفیاں لے جانا چاہو۔ تو لے لو۔ اس نے ان لوگوں کی گواہی بھی پیش کر دی ہے۔ جن کے سامنے یہ قول ہوا تھا۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔ یتیمی میں ہمارا کوئی آسرا نہیں۔

بھلوں نے اُن کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ”بیٹا! پریشان نہ ہو۔ اپنے آنسو پونچھ لو اور میرے ساتھ چلو۔ میں خود قاضی سے بات کرتا ہوں۔“

وہ لڑکے اس کے ساتھ چل پڑے۔ بھلوں انھیں لے کر قاضی کے پاس آیا اور بولا۔ ”اے قاضی۔ تو ان یتیم بچوں کا حق انھیں کیوں نہیں دیتا؟“

”اچھا۔ تو یہ چالاک لڑکے اب تمھیں اپنا حمایتی منکر لائے ہیں۔ حالانکہ ان کے باپ نے کتنی لوگوں کے سامنے مجھے یہ اختیار دیا تھا کہ میں جو کچھ چاہوں انھیں

وہ نوسرا باز بچارا اس قدر شرمende ہوا کہ اُسے بھالگئے ہی بنی۔ ہارون کو بھی ہنسی آگئی اور بولا۔ ”شوخی تو خیر اس کی طبیعت میں شروع ہی سے بہت ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ اور بھی بتاؤ تاکہ ہم جان سکیں کہ اس کی دیوانگی کس منزل پر ہے۔“

”ظلیں بُخانی۔ !! اجازت ہو تو میں بیان کروں۔“ ایک درباری نے ادب سے پوچھا۔

”بیان کرو۔“ ہارون نے اجازت دی۔

”حضور۔ !! ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اس نے ایک عجیب فیصلہ کیا اور وہ بھی اس طرح کہ قاضی کو اس کے سامنے مستردیم ختم کرنا پڑا۔“ درباری نے کہنا شروع کیا۔ ”ہوا اس طرح کہ بھلوں نے راہ چلتے دو بچوں کو روئے اور فریاد کرتے دیکھا۔ وہ ان کے پاس ڑک گیا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔“ ”بچو۔“ تم کیوں پریشان ہو؟“

”پڑا لڑکا بولا۔“ ”ہم فلاں شخص کے بیٹے ہیں۔ ہمارا باپ جو گویا تھا۔ اس نے چلنے سے پہلے ایک ہزار اشرفی قاضی کے پاس بطور امامت رکھوائی تھی اور کہا تھا کہ زندگی تو کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر میں سفرِ جس سے واپس نہ آیا۔ تو تم میرے بچوں کو اس میں سے جو تمہارا دل چاہے دے دینا اور

ابھی پچھلے جمعے کو اس نے ایک ایسا شگوف چھوڑا کہ ہنس
ہنس کر نمازوں کے پیٹ میں بُل پڑ گئے۔ وزیر نے بتایا۔
”بیان کرو ود کیا بات ہے؟“ ہارون نے کہا۔
”گزشتہ جمعے کو وہ نماز پڑھنے مسجد میں آیا۔ تو غالباً
چوری کے ڈر سے اس نے اپنے جوتے ایک کپڑے میں باندھ
کر اپنی عبا میں چھپا لیے۔ یہاں کے مقامی لوگ تو بہلوں
کو جانتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو اسے پہچانتا نہیں تھا۔
اس نے اسے بغل میں کوئی شے دابے ہوتے دیکھ کر کہا۔
”معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے پاس کوئی قیمتی کتاب ہے۔
جسے آپ نے اتنی حفاظت سے رکھا ہوا ہے؟“
بہلوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”آپ نے
درست اندازہ لگایا۔ بہت قیمتی کتاب ہے۔“
اس شخص نے پوچھا۔ ”کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گے
کہ یہ کون سی کتاب ہے؟“
”جی ہاں۔ کیوں نہیں۔ یہ فلسفے کی کتاب ہے۔“
بہلوں نے بتایا۔
”فلسفے کی کتاب۔ سبحان اللہ۔!! آپ نے کس
کتب فروش سے خریدی ہے؟“
”جناب! یہ میں نے ایک مپوحی سے خریدی ہے۔“

دے دوں۔ اب میں نوساشرفیاں انھیں دیتا ہوں۔
تو یہ لینے سے انکار کرتے ہیں اور مجھے خوانخواہ شہر بھر میں
بدنام کرتے پھرتے ہیں۔“ قاضی نے ٹھاٹھ سے جواب دیا۔
بہلوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”قاضی جی!“
آپ نے بالکل درست فرمایا ہے۔ یہ قول ضرور ہوا ہے۔
لیکن اس قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ جو چاہتے
ہیں وہ نوساشرفیاں ہیں اور یہی ان بچوں کے مرخوم
باپ نے کہا تھا کہ جو آپ کا دل چاہے وہ آپ اس کے بچوں
کو دے دیں۔ تو قبلہ قاضی صاحب۔! پھر نک آپ نوسو
اشرفیاں چاہتے ہیں۔ اس لیے یہی اس کے بچوں کو دے دیں۔
قاضی تو انگشت بدنداں بہلوں کا ہمنہ تکتارہ گیا۔
حاضرین نے بہلوں کی تائید کی اور اسے ان میتیم بچوں کا حق
دیتے ہی بھی۔“

”اچھا۔ تو اس نے شہر کے قاضی کو عاجز کر دیا اور
کہلاتا دیوانہ ہے۔“ ہارون رشید نے زور دے کر کہا۔
”عالی جاہ۔! وہ پاگلوں کی سی حرکتیں بھی کرتا ہے۔
— کبھی لپٹنے عصا کو گھوڑا بناؤ کر اس پر سواری کرتا ہے۔
کبھی بچوں کے ساتھ مل کر مٹی سے کھیلتا ہے۔ ریت کے
گھروندے بناتا ہے۔ پاں نماز کے وقت مسجد میں پہنچ جاتا،

ویران کھنڈر میں تھا۔ جو اس کا بسیرا تھا۔ نہ ہی قبرستان
میں جہاں وہ اکثر و بیشتر کسی سوچ میں مستقر ہی بیٹھا رہتا
تھا۔ کسی نے بتایا کہ ”وہ مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھا
گیا ہے۔“

کارندہ بھی مسجد کی سمت چل پڑا۔ ابھی وہ راستے
ہی میں تھا کہ اس نے دیکھا کہ بُہلوں اپنے جو تے ہاتھ میں
پکڑے۔ چھڑی بغل میں دیاتے۔ گرتا پڑتا مسجد سے باہر
نکلا اور حس طرف اس کا منہ اٹھا۔ سرپٹ بھاگتا چلا گیا۔
اس کے پیچے اک شور بلند ہوا۔ ”یہاں۔ پکڑنا۔
دیکھو جانے نہ پائے۔“!!!۔ پکڑو۔ پکڑو۔ اس دیوانے
کو پکڑو۔!!!۔ اس گستاخ کی خبر لو۔“۔ پکھ نوجوان طالب علم
مسجد سے نکلے اور واویلا کرتے بُہلوں کا پیچھا کرنے لگے۔
بُہلوں اپنی ہی عبا میں الجھتا۔ چھڑی کو سنپھالتا۔
جھوتوں کو بغل میں دیاتا۔ مُرمڑ کر دیکھتا۔ ان کی پہنچ سے
دُور نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بالآخر نوجوانوں کی
سبک رفتاری نے اس کو جالیا۔ وہ اس کی ٹھکانی کرنے لگے۔
”اوگستاخ۔“!!!۔ تیری یہ جُرات کرتے ہوئے ہمارے اُستاد
کو مٹی کا ڈھیلا مارا۔ ہم تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم
تیری جان لے لیں گے۔ گنوار دیوانے۔“!!!۔

بُہلوں نے مزے سے جواب دیا۔ جو لوگ اس کی حرکتوں سے
واقف تھے۔ انھیں ہنسی ضبط کرنی محال ہو گئی۔
پارون بھی مُسکرا یا۔“ تو موصوف کی دیوانگی۔ فرزاں
کو شرعاً ہے۔ ہمیں اس کی اس روشن پرشک ہے۔
کہیں یہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول تو نہیں جھونک رہا۔
”آپ نے بجا فرمایا اعلیٰ حضرت۔“! اللہ تعالیٰ نے آپ
کو بہترین عقل و دانش سے نوازا ہے۔ یہ خیال آپ کے ہی
ذہنِ رسام میں آسکتا تھا۔“۔ کسی خوشامدی نے فوراً ہاں میں
ہاں ملائی۔

”تم سب نمک حرام ہو۔“ لگتا ہے کہ وہ کوئی سازش
کر رہا ہے اور تم لوگوں کو کچھ خبر بھی نہیں۔ اس کے بارے
میں قوراً پتہ چلاو کہ اس کی دیوانگی کے پس پردہ کون سے
مقاصد پو شیدہ ہیں اور اسے کل دربار میں طلب کرو۔ درہ
تم سب کی گردن مار دی جائے گی۔“۔ پارون نے جلال
شاہی سے حکم جاری کیا اور دربار برخاست ہو گیا۔

5

خلیفہ کا ایک کارندہ قورا ہی بُہلوں کی تلاش میں
روانہ کر دیا گیا۔ بُہلوں اُسے کہیں بھی نہیں ملا۔ نہ وہ اس
۳۰

ہو گیا اور ان کی پیشانی پر ڈھیلا کھینچ مارا۔ آپ درمیان سے بہت جاتیں۔ یہ پاگل ہے یا دیوانہ۔ آج تو ہم اس کو ایسا سبق سکھا کر چھوڑیں گے کہ سارا پاگل پن بھول جائے گا۔ ایک لڑکے نے اپنی بات ختم کر کے پھر بہلوں کی طرف دیکھ کر دانت کچا چاہئے۔

”بُہلوں بُہلوں۔! کیا یہ لڑکے ٹھیک کہہ رہے ہیں؟“
کارندے نے بہلوں سے پوچھا۔

”ہاں۔ میں نے اس کو مارا ہے۔ مگر اسے لگا تو نہیں۔ نہ ہی اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ پُوچھ لو اس سے۔ میرے پیچے کیوں پڑے ہو۔“ بہلوں نے بڑی بیٹے نیازی سے جواب دیا۔

”وکیم آپ نے اس کی ڈھٹائی۔“ اُستادِ محترم پیشانی پکڑے بیٹھے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ انھیں ڈھیلا لگا، ہی نہیں۔ میں ابھی اس کا دعاغ درست کرتا ہوں۔“ وہ طالب علم پھر بہلوں پر جھپٹا۔

پارون کے کارندے نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ”بات سنو“ لڑکے۔ ! سب جانتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ پھر خلیفہ کارشنہ دار بھی ہے۔ تم اسے مار کر قانون کو باتحہ میں نہ لو۔ اسے قاضی کے پاس لے جاؤ۔ وہی صحیح فیصلہ۔

”ہاں۔ ہاں۔ میں نے اس کو مارا ہے۔“ میں کب انکھار کرتا ہوں۔ لیکن اُسے لگا کہاں ہے۔؟ اگر اسے لگا بھی ہے۔ تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ تم خواجہ شور مچار ہے ہو۔ ہٹو پیچھے۔ چھوڑو مجھے۔“ بہلوں دُنیا می دینے لگا۔

پارون کا کارندہ دوڑ کر قریب پہنچا اور زیج بجاو کر لئے ہوئے بولا۔ ”بھایو!“ تم لوگ کیوں اس پیگلے کے پیچھے پڑے ہو۔ کچھ انضاف سے کام لو۔ تم لوگ اتنے صاف ہو اور یہ اکیلا۔ آخڑ ہوا کیا ہے۔؟؟

”یہ پوچھیں کہ کیا نہیں ہوا۔ اس دیوانے نے ہمارے اُستادِ محترم امام ابوحنیفہ کو مٹی کا ڈھیلا کھینچ مارا۔ جو ان کی پیشانی پر لگا۔ ہم اس کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔“ وہ پھر بہلوں کے گرد ہو گئے۔

پارون کے کارندے نے انھیں روک دیا۔ ”مگر ہوا کیا تھا۔ کیا ان کے ساتھ بہلوں کا کوئی جھگڑا ہوا تھا۔“

ایک طالب علم بولا۔ ”کیا بات کر رہے ہیں آپ؟“ ہمارے اُستادِ محترم کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اس جیسے کے ساتھ جھگڑا کریں۔ وہ تو ہمیں معمول کے مطابق درس دے رہے تھے۔ کہ یہ کم بخت نہ جانے کہاں سے نوادر

اپنے شاگردوں کو سمجھا رہا تھا کہ امام جعفر صادقؑ جو یہ فرمائے ہیں کہ ابتدیں کو جہنم کا عذاب دیا جاتے گا، وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ شیطان ناری مخلوق ہے۔ وہ اگلے سے بناء ہے۔ اور اس کو آگ بھلا کیا تکلیف پہنچاتے گی۔ تو بھی خاکی ہے اور مٹی سے بناء ہے پھر بھلامٹی کے ڈھیلے نے تجھے کیا تکلیف پہنچائی۔؟

”فضول پایتیں مت کرو۔ تم نے وہ ڈھیلا اتنی نور سے مارا ہے کہ میری پیشانی اور سر میں درد ہو رہا ہے۔“
ابو حنیفہ نے ناگواری سے کہا۔

”آپ بھی غلط بیان نہ کریں اعلیٰ حضرت۔! اگر آپ کی پیشانی میں درد ہے۔ تو وہ ہمیں نظر کیوں نہیں کیا۔“ بہلوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
”اوہو۔ کس احمق سے پالا ڈڑا ہے۔ عقلمند آدمی کیا کبھی درد بھی کسی کو نظر آیا ہے۔؟“ ابو حنیفہ نے ناپسندیدگی سے جواب دیا۔

”قبلہ اسٹاد صاحب۔! ابھی تو آپ اپنے شاگردوں سے فرار ہے تھے۔ کہ امام جعفر صادقؑ جو فرماتے ہیں کہ خدا کو دیکھنا ممکن نہیں۔ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ بھلا جو چیز موجود ہے۔ اسے نظر آنا چاہیے۔ اس یہ خدا کو دیکھنا ممکن ہے۔ اور وہ ڈھیلا بھی مٹی کا تھا۔ ابھی تو خود ہی تو

کرے گا۔“

بات لڑکوں کی سمجھو میں آگئی۔ وہ بہلوں کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے گئے اور اسے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ تو بہلوں بولا۔ ”ذرا اپنے اسٹاد محترم کو بھی تو بلا لاؤ۔“ مدعی کے بغیر تم دعویٰ کس طرح پیش کر سکتے ہو؟“
”بہلوں درست کہتا ہے۔ تم اپنے اسٹاد کو بلا لاؤ۔“ کیونکہ مدعی تو وہی ہیں۔ پھر ہم دیکھ بھی لیں گے کہ ضرب کتنی شدید ہے۔“ قاضی نے حکم دیا۔
طالب علم گئے اور امام ابو حنیفہ کو بلا لائے۔ بہلوں نے قاضی سے کہا۔ ”قاضی جی۔!! کیا یہی ان لڑکوں کے اسٹاد محترم سے بات کر سکتا ہوں۔“

”یاں شوق سے۔“ قاضی نے اجازت دی۔
بہلوں نے انھیں مخاطب کیا۔ ”میرے عزیز۔!!“ میں نے تجھ پر کون سا ظلم کیا ہے۔؟“
”عجیب مسخرے ہوتے۔ ابھی تم نے سب کے سامنے میری پیشانی پر مٹی کا ڈھیلا نہیں مارا۔“ ابو حنیفہ غصتے سے کہا۔

”تو بھائی۔ اس سے تجھے کیا فرق پڑا۔ تو بھی مٹی سے بناء ہے اور وہ ڈھیلا بھی مٹی کا تھا۔ ابھی تو خود ہی تو

اپنا مقدمہ جیت لیا ہے۔"

بہلول نے اطمینان کا گھر اسنس لیا۔ پاؤں میں بُجتے پہنچنے اور اپنی چھڑی سنپھال کر عدالت سے باہر نکل آیا۔ وہ اپنی دُھن میں بڑھ رہا تھا۔ "آل محمدؐ کی تنکیب کرنے والوں کو مُٹھہ کی کھانی پڑتی ہے۔ علومِ اہلبیت کو جھٹلانے والوں کے مُقدار میں چیت نہیں"۔ !!

پارون کا کارندہ اس کے پیچے پیچے چلا۔ اس نے دو ایک بار اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ یہاں وہ اپنی دُھن میں مُست چلتا چلا گیا اور اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ پارون کا کارندہ کچھ فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرتا رہا۔ بہلول بھی اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا۔ کہیں کھڑا ہو کر اپنی چھڑی سے زمین کریدتا۔ کہیں راہ چلتے بچپوں کے سر بر پا تھے پھیر کر کوئی مزاحیہ فقرہ کس دیتا۔ کہیں دیوار سے ٹیک لگا کر اپنے خیالوں میں مُستغرق ہو جاتا۔

اسی طرح چلتے چلاتے آدھا دن بیت گیا۔ سورج نصف النہار پر آگیا۔ بہلول اپنے کھنڈر میں داخل ہوا اور نوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ کر لگا کر سستا نے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور فرشِ خاک پر ٹانگیں پسالیں۔ کارندہ جو بہت دیر سے اس کے تعاقب میں تھا۔

ہے۔ تو اگر آپ کے سرمبارک میں درد ہو رہا ہے۔ تو اسے ہمیں بھی دکھایتے۔" بہلول نے شنگفتگی سے کہا۔ ابوحنیفہ زنج ہو گئے اور قاضی سے بولے۔ "قاضی صاحب۔ یہ دیوانہ تو یوں ہی ادھر ادھر کی پانک رہا ہے۔ اس نے سب کے سامنے مجھے پتھر مارا ہے۔ آپ گواہیاں لے کرے سزادیں اور کارروائی ختم کریں"۔

"یا حضرت۔! اگر مجھ ناچجز نے آپ کو مسی کا ڈھیلامار بھی دیا ہے تو اس میں مجھ دیلوتے کی کیا تقضیر؟ ابھی آپ ہی تو اپنے شاگردوں سے فرمائے تھے کہ آپ کو امام جعفر صادق کے اس قول سے بھی اختلاف ہے کہ وہ فرماتے ہیں : "اچھا یا بُرا کام کرنے والا خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اور اس کے لیے جواب دہ ہے"۔ جبکہ آپ فرماتے ہیں گہر فغل اللہ تعالیٰ طرف سے ہوتا ہے۔ اور بندہ اس کا ذمہ دار نہیں۔ اس لحاظ سے ڈھیلا میں نے آپ کو نہیں مارا۔ یہ کام تو خدا نے مجھ سے کروایا ہے۔ اب بھلا میں اس کام کے لیے سزا کا مُستحقی کس طرح ٹھہرا۔ جو میں نے نہیں کیا۔ خدا را قاضی صاحب آپ ہی انصاف کیجیے"۔

ابوحنیفہ لا جواب سے ہو گئے۔ قاضی جو دلوں کی دلچسپ بحث سے محظوظ ہو رہا تھا۔ بولا۔ "بہلول نے

ہے گیا — بہلول نے کھانے کا خوشنما خوان اٹھایا اور گتے کے سامنے رکھ دیا — گتے بے صبری سے مُسْنَہ مارنے لگا۔

”اوہ مو ہو ہو — !!! خُدا کی پناہ — بہلول یہ کیا کرتے ہو ؟ خلیفہ کا کھانا تم نے کتے کے سامنے رکھ دیا ہے“ — ملازم نے کہا ایسی دی۔

”ہششت۔ چپ۔ چپ۔ خاموش رہو — مُسْنَہ بند رکھو — اگر اس کتے نے سُن لیا کہ یہ کھانا خلیفہ کا ہے — تو یہ بھی نہیں کھائے گا“

ملازم اپنی ہنسی نہیں روک سکا اور بولا — ”بہلول ! تم بھی عجیب سخنے ہو — میں تمہارے لیے خلیفہ کا یہ پیغام بھی لایا ہوں کہ کل انھوں نے تمھیں دربار میں طلب کیا ہے — بہتر ہے کہ تم کل خود ہی حاضر دربار ہو جانا“

بہلول نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ کارنڈہ واپس چلا گیا۔

۶

اگلے روز بہلول کا رُخ ہارون کے محل کی جانب تھا۔ اس نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن رکھے تھے۔ دو شپر گدری تھی اور ہاتھ میں عصا۔ دربان کو معلوم تھا کہ وہ ہارون کا

اس نے سوچا کہ دن بیت چلا ہے — کھانے کا وقت ہے — لیکن بہلول نے کھانا نہیں کھایا — بہتر یہی ہے کہ وہ اس کے لیے کھانا لے آتے تاکہ اس سے بات کرنے کا بہانہ ہو جائے — اسے خود بھی بھوک لگی تھی۔ وہ بازار گیا۔ ایک مطعم میں بیٹھ کر خود کھانا کھایا اور کچھ عمدہ کھانا خرید کر ایک خوشنما خوان میں رکھا اور بہلول کے کھنڈر میں واپس آگیا۔

بہلول اپنے آپ میں مگن نہ جانے خیالات کی کون سی گنجیاں سمجھا رہا تھا — ہارون کا کارنڈہ آگے بڑھا اور بہلول کو متوجہ کرنے کے لیے اطلاعی انداز میں کھنکارا۔ بہلول نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے سلام کیا۔ بہلول نے جواب دیا تو وہ بولا — ”خاب بہلول صاحب ! خلیفہ ہارون نے آپ کے لیے یہ کھانا بھیجا ہے“ — اس نے کھانے کا خوان اس کے نزدیک ہی رکھ دیا۔

بہلول ہنسا — ”واہ — واہ — !! اسلامی مملکت کے بادشاہ مجھے جیسے کم حیثیت دیوانوں کا بھی خیال رکھنے لگے ہیں“ ”خلیفہ ہارون کی رعایا پروری تو ضربِ المثل ہے“ — کارنڈہ نے فوراً کہا۔

بہلول نے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور اس گتے کو چکارا جو کھنڈر میں ایک جانب بیٹھا ہوا تھا — گتہ دُم ہلاتا قریب

”مئن بند کرو۔ شور مرت چاؤ۔ اُترو بادشاہ کی مَسْنَد پر سے اُترو۔“ !! پھرے دار نے اس کی پُشت پر مُسلسل کوڑے برساتے ہوئے درشتی سے کہا۔

دُوسرے نے زور لگایا اور بُہلوں کو مَسْنَد پر سے کینخ کر فرش پر گردایا۔ بُہلوں سر پیٹنے لگا۔ ”ہائے افسوس۔ صد افسوس۔ !! آہ۔ ! آہ۔ ! اُفت۔ ! اُفت۔ !!!“
وہ بلند آواز میں مسلسل روتا جا رہا تھا۔

پھرے داروں کی جان پر بُنی تھی۔ لیکن وہ کسی طرح خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

اسی وقت ہارون کی آمد کی اطلاع نقیبوں نے دی اور چند لمبوجوں بعد وہ دیوانِ خاص میں داخل ہوا۔ اس نے بُہلوں کو اس طرح روئے چلاتے اور فریاد کرتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بُہلوں کو فرش پر سے اٹھانا چاہا۔ لیکن وہ نہیں اٹھا اور اسی طرح روئے ہوئے۔ افسوس۔ ! افسوس۔ !!! اور ہائے ہائے پکارتارہا۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔؟“ ہارون نے ڈانٹ کر پوچھا۔ ”عالیٰ جاہ۔! یہ دیوانہ حضور کی مَسْنَد پر جا بیٹھا تھا اور کرنی پڑی۔“ — پھرے داروں نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

رشته دار ہے اور اسے ہارون نے طلب کیا ہے۔ اسی لیے اس نے اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

وہ اپنی بچھی ہوئی جو تیاں چھختاتا۔ بڑی بے تکلفی سے اندر داخل ہو گیا۔ وہ راہداری میں سے گزرتا ہوا۔ دیوانِ خاص میں پہنچا۔ دیکھا کہ نہ کوئی نگہداں ہے۔ نہ پھریدار۔ وزیروں امیروں کی کرسیاں بھی خالی پڑی ہیں۔ شاید ابھی دربار آراستہ نہیں ہوا تھا۔ وہ قیمتی قالین کو روندتا۔ پادشاہ کی مَسْنَد تک جا پہنچا۔ اور مزے سے اس پر بُرا جمان ہو گیا۔ ابھی اسے بیٹھے ہوئے چند لمحے بھی نہیں ہوئے تھے کہ دربار کے پھرے دار دوڑتے ہوئے آئے۔ انھیں اطلاع ملی تھی کہ ہارون اسی طرف آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے کہ بادشاہ کی زریں مَسْنَد پر بُہلوں پہنچے حالوں بیٹھا ہے۔ انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ بدحواسی میں آگے بڑھے۔ ایک نے بُہلوں کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ دوسرے نے کوڑا بُہلوں کی پُشت پر رسید کیا۔

”او دیوانے۔! تیری یہ جڑات کہ تو بادشاہ کی مَسْنَد پر بیٹھے۔ اُتر نیچے۔“

”ہائے۔!!! بُہلوں نے ترپ کر نعرہ مار۔“ ہائے۔ ہائے۔ اُفت۔ !!! وہ دُہانی دینے لگا۔

تجھے اپنے انجام کی کوئی فکر نہیں" —

ہارون لمحے بھر کو کانپ گیا۔ لیکن اس نے یونہی ظاہر کیا۔ جیسے اس کی بات نہیں سمجھا اور بُہلُوں سے بولا۔ "تم میرے حال پر افسوس کرتے ہو اور میں متحارے حال پر۔ تم اچھے بھلے تو تھے۔ پھر تھیں نہ جانے کیا ہوا ہے جو یوں دیوانے بنے پھرتے ہو۔" بُہلُوں مسکرا یا۔ "تم جانتے ہو کہ خُدا کی سب سے بڑی نعمت عقل ہے۔"

خواجہ عبداللہ انصاری اپنی مُناجات میں فرماتے ہیں کہ "اے خدا۔! جس کو تو نے عقل دی۔ اسے کیا کچھ نہیں دیا اور جسے عقل نہیں دی۔ اسے کیا دیا۔" ہم نے وہ حدیث تو شُفی ہو گی کہ جب خُدا ارادہ کرتا ہے کہ بندے سے اپنی نعمتیں واپس لے لے۔ تو سب سے پہلے بندے سے جو چیز واپس لیتا ہے وہ عقل ہے۔ عقل مزق میں شمار ہوتی ہے۔ افسوس کہ خُدانے یہ نعمت مجھ سے واپس لے لی ہے۔"

"لیکن اس سے شاہی خاندان کی کس قدر ذلت ہو رہی ہے۔ متحیں اس کا بھی کچھ اندازہ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تم میرے رشته دار ہو اور تم ہو کہ اس ٹیلے میں جگہ جگہ

"ہائے۔ یہ تھوڑی سی سختی تھی۔ ارے ظالمو۔! تم نے تو کوڑوں سے میری پشت اُدھیر کر رکھ دی ہے۔ ہائے افسوس۔ اُف۔ اُف۔!! بُہلُوں نے فریاد کرتے ہوئے انھیں ٹوکا۔"

ہارون نے نگاہِ عتاب ان پر ڈالی۔ "تم لوگ دیکھتے نہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔"

پھرے دار آئیں با تین شایعیں کرنے لگے۔ ہارون نے بُہلُوں کی دلچوی کرتے ہوئے اسے فرش سے اٹھایا اور تسلیمی لیکن وہ مُسلسل روتا جا رہا تھا۔

ہارون نے بڑی تشویش سے پُوچھا۔ "بُہلُوں۔ اس طرح کیوں رو رہے ہو۔ کیا تھیں بہت تخلیف پہنچی ہے۔" ہاں۔ مجھے بہت تخلیف پہنچی ہے۔ لیکن یہیں اپنے حال پر نہیں۔ متحارے حال پر رو رہا ہوں۔ ہائے افسوس۔!! بُہلُوں نے تَاَسَف سے کہا۔

"میرے حال پر۔" ہارون کو تعجب ہوا۔ ہاں۔ متحارے حال پر۔ افسوس ہارون۔ تجوہ کیا گزرتی ہو گی۔ میں تو تیری مَسْنَد پر صرف چند لمحے ہی بیٹھا ہوں۔ تو اتنی مار کھائی کہ ساری پُشت چھانی ہو گئی اور تو نہ جانے کب سے اس مَسْنَد پر بیٹھ رہا ہے۔ اُف۔

اور کسی طرح دُور نہ ہو۔ تیری جان پر بن جاتے اور تجھے پتہ
چلے کہ کوئی شخص تیری اس بیماری کا علاج کر سکتا ہے۔ تو
توُ سے کیا دے گا؟۔

”میں اس شخص کو اپنی باقی آدمی سلطنت بھی دے دوں گا۔
جان ہے تو جہاں ہے۔“ ہارون بولا۔

”تو پھر اسی بادشاہی پر غُرُور کرتے ہو۔ جس کی قیمت
پن کے دو گھونٹ سے زیادہ نہیں۔“ بُہلوں نے بڑستہ کہا۔
ہارون خفیف سا ہو گیا۔ ”بُہلوں تم دیوانے ہو گئے ہو
مگر تم تھاری عادتیں نہیں بد لیں۔ تمہیں اپنے خاندان کے
وقار کا کوئی پاس نہیں۔ پسیمبر خدا کے چھا عباس کے بیٹے
عبداللہ بن عباس کتنے مرتبے کے حامل ہیں۔ لیکن تم علیؑ
ابن ابی طالبؑ کو ترجیح دیتے ہو۔“

”محبھے اپنی جان کا خوف نہ ہو۔ تو میں یہی کہوں گا کہ
تم ٹھیک کہتے ہو۔“ بُہلوں نے جواب دیا۔

ہارون چونکا اور اس کے خیالات جاننے کے لیے بولا۔
”تمہیں ہر طرح سے آمان ہے۔ لیکن تمہیں دلیں سے اپنی
بات کو حق ثابت کرنا پڑے گا۔“

بُہلوں سیدھا ہو بیٹھا اور واضح لفظوں میں بولا۔
”میرے خیال میں پسیمبر خدا صکے بعد علیؑ تمام مسلمانوں سے
خیال کرو۔“ ہارون نے سرزنش کے انداز میں کہا۔

گھوٹتے پھرتے ہو۔ پچھے نہیں تو میرے منصب اور مرتبے کا ہی
بُہلوں نے سڑھایا اور بولا۔ ”ہارون۔ اگر تو کسی
خنکل بیباں میں راستہ بھٹک جائے۔ تیرا پیاس سے دم
نکل رہا ہو۔ اور تجھے کہیں پانی نہ ملے۔ تو توُ ایک
گھونٹ پانی کے عوض کیا کچھ دینے پر تیار ہو جائے گا۔“
”عجیب دیوانے ہوتے۔“ بھلا اس وقت اس کا کیا
ذکر۔ ہارون نے ناگواری سے کہا۔

بُہلوں ہنسا۔ ”میری بات کا جواب تو دو۔“
”ظاہر ہے۔ اس وقت میرے پاس جو بھی مال و
متاع ہے وہ سب دے دوں گا۔“ ہارون نے بے پرواہی
سے جواب دیا۔

”اگر پانی کا مالک اس قیمت پر راضی نہ ہو۔ پھر؟“
بُہلوں نے پوچھا۔
”تو میں اُسے اپنی آدمی سلطنت دے دوں گا۔“
ہارون نے فراخدلی سے کہا۔
”اچھا۔!“ بُہلوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔
”اگر یہ ایک گھونٹ پانی پی کر تیری جان تو نجح جاتے۔
لیکن تجھے پیشاب رک جانے کی بیماری لاحق ہو جاتے۔“

لہ بیت المال سے ان کا جو حق انھیں ملتا ہے۔ اس سے کچھ زیادہ انھیں دیا کریں — امیر المؤمنین نے ان کی درخواست رد کر دی۔

آپ تمام حکام سے بھی فرماتے تھے کہ لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے — ان کے معاملات کے فیصلے عدل والاصاف سے کیے جائیں — جو حاکم ذرا سا بھی ظلم و ستم کرتا تھا۔ اس سے باز پُرس میں سختی کرتے تھے اور اسے فوراً منصب سے ہٹا دیتے تھے۔ خواہ وہ ان کا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ اسے معاف نہیں کرتے تھے۔

”جیسا کہ عبد اللہ بن عبّاس نے جس وقت وہ بصرہ کے حاکم تھے۔ بیت المال کی کچھ رقم ذاتی کاموں میں خرچ کر لی تھی۔ آپ نے ان سے وہ رقم واپس مانگی اور ان کے اس فعل پر انھیں سخت تنبیہ کی اور ایک آخری تاریخ مقرر کر دی تاکہ اس سے پہلے پہلے ابن عبّاس وہ رقم واپس کر دیں۔ لیکن ابن عبّاس اس مقرہ تاریخ تک رقم نہیں لوٹا سکے۔ علیؑ نے انھیں گوفہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ابن عبّاس جانتے تھے کہ علیؑ ایسے خلیفہ نہیں ہیں جو در گزر کر دیں گے اور پشم پیش سے کام لیں گے۔ اس تیسے وہ بھاگ کر مکنے چلے گئے اور خدا کے گھر میں جا۔ بیٹھے تاکہ علیؑ کے نجایے سے نجح جائیں۔“

اُفضل ہیں۔ کیونکہ وہ سچے مُومن تھے۔ ان کی تمام عادات پسندیدہ تھیں اور اطاعتِ خُدا و رسولؐ میں ان سے ذرہ بھر کوتا ہی نہیں ہوتی۔ انھوں نے تمام خُدائی احکامات پر اس طرح حرف بہ حرف عمل کیا کہ اس کے مقابلے میں نہ صرف اپنی جان بلکہ اپنی اولاد کی جانیں بھی سمجھتے تھے۔ وہ بہت بہادر اور نذر تھے۔ تمام جنگوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ انھوں نے کبھی ذہمن کو پیچھے نہیں دکھائی۔ اس بارے میں ان سے سوال بھی کیا گیا تھا کہ آپ جنگ میں اپنی جان کا خیال کیوں نہیں رکھتے۔ اگر کوئی پیچھے سے آپ پر حملہ کر کے آپ کی جان لے لے۔ تو پھر۔؟

انھوں نے جواب دیا۔ ”میری لڑائی خُدا کے دین کی خاطر ہے۔ اس میں مجھے کسی لائق، فائدے اور ذاتی غرض کا خیال نہیں۔ میری جان خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میں مر جاؤں گا۔ تو خُدا کی راہ میں مروں گا اور اس سے بڑھ کر اور کی سعادت ہوگی۔“

”جب وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے تو اپنا تمام وقت مسلمانوں کے کاموں اور خُدا کی عبادت میں صرف کرتے تھے۔ بیت المال سے ایک دینار بھی بیکار نہیں اٹھاتے تھے۔ یہاں ک کران کے بھائی عقیل نے جو عیال دار تھے۔ ان سے درخواست کی

رحم پڑیا۔

”اُس کی تلوار زہر میں بُجھی ہوئی تھی۔ اس لیے آپ جاتیر نہ ہو سکے اور تیسرا دن شہادت پائی۔ آخری وقت اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر فرمایا：“ خُدا کے چاہنے والوں کے لیے اس فانی دُنیا سے انہیاً اور اُوصیاً کا ساتھ بہتر ہے۔ اگر میں اس زخم سے مر جاؤں تو میرے قاتل کو بھی ایک ہی ضرب لگانا کیونکہ اس نے مجھ پر صرف ایک ہی وار کیا ہے اور۔ ہاں۔ اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔“

یہ فرم اکر آپ کچھ دیر کے لیے بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو اپنی وصیت جاری رکھی۔ فرمانے لگے۔ ”میں نے اس وقت رسول خدا کو دیکھا کہ مجھ سے فمار ہے میں کہ کل تم ہمارے پاس ہو گے۔“

”اس وقت آسمان کا زنگ بدل گیا۔ زمین ٹلنے لگی۔ مُومنوں کی آہ و بُکا سے فضائیں گُونجنے لگیں۔ عوامِ النّاس کے نالہ و شیوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس بارے میں ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔“

”آج کی رات مُشرکوں نے ظلم و ستم کا جھنڈا بلند کر دیا ہے۔ شہادتِ علیؑ سے دین کے آرکان پر سخت وار ہوا ہے۔ اس ایک وار سے جو مُومنوں کے باپ کو لگا ہے۔“

ہارونِ خجہل سا ہو گیا۔ لیکن دھنٹائی سے بولا۔ اُک علیؑ اتنے ہی عظیم اور عوامِ دوست تھے۔ تو پھر قتل کیوں ہوتے؟

”حق کی راہ پر چلنے والوں کو اکثر شہید کیا گیا ہے۔ ہزاروں پیغمبر اور خُدا کے نیک بندے اسی طرح خدا کی راہ میں قتل ہوتے ہیں۔“ بُھلوں نے برجستہ جواب دیا۔

ہارون کوئی عذر نہ تراش سکا تو بولا۔ اپچھا بُھلوں!

اب علیؑ کی شہادت کا حال بھی سنادو۔“

بُھلوں نے سرد آہ بھری اور بولا۔ ”امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ جس رات عبد الرحمن ابن مُلجم قتل علیؑ کے ارادے سے مسجد میں آیا۔ اس وقت ایک اور شخص بھی اس کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر وہ دونوں باتیں کرتے رہے پھر صحنِ مسجد میں سو گئے۔“

جب علیؑ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے سوتوں کو جگایا تاکہ نماز پڑھیں۔ یہ دونوں ملعون بھی بیدار ہو گئے۔ علیؑ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے سجدے میں سر رکھا۔ تو ابن مُلجم نے تلوار آپ کے سر پر ماری۔ یہ ضرب اسی جگہ لگی جہاں پہلے عمر بن عبد وَدَنے غَرَوَة خندق میں وار کیا تھا۔ اس بدجنت کے وار سے آپ کے سر سے ایر و تک گہرا

ہونگوں سے ایک حرف بھی نہیں نکلا اور اس کا سر جھکا رہا
بُہلوں نے اپنی گدڑی سنبھالی اور اپنے آنسو پوچھتا ہوا
اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا ہارون—اب مجھے اجازت دے۔“
ہارون چونکا—”مظہرو—تم ہمارے محل میں آئے ہو
— یہ مناسب نہیں کہ یہاں سے خالی ہاتھ جاؤ“
اس نے ملازموں کو حکم دیا کہ بُہلوں کے لیے اشرفیاں اور
دینار لائے جائیں۔

”نہیں ہارون—مجھے ان اشرفیوں کی حاجت نہیں۔ تم
نے یہ مال جن لوگوں سے لیا ہے۔ انھیں دے دو۔ اگر تم
نے قوم کا مال نہیں لوٹایا۔ تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔
جب خلیفہ سے اس کا تقاضا کیا جاتے گا۔ اس روز خلیفہ
خالی ہاتھ ہو گا اور اس کے پاس شرمندگی اور پچھتاوے کے
سو کچھ نہیں ہو گا۔“ بُہلوں اتنا کہہ کر چل دیا۔ ہارون لرز
گیا اور وہیں پشیان پشیمان سا بیٹھا رہ گیا۔

۷

ہارون کی چھیتی ملکہ، زبیدہ اپنے شاندار محل کی لہڑکی میں
سے باہر کا نظارہ کر رہی تھی کہ اس نے بُہلوں کو نہر کے کنارے

ایمان کا پوئے کا پوئا گھر اجڑ گیا ہے۔
آسمان کے مکینوں نے اس غم میں اپنے تاج سعادت
آثار پھینکے ہیں۔

دنیا والوں کو بہتا پانی کڑوا لگنے لگا ہے۔
آب حیات میں زہر گھول دیا گیا ہے۔
ظالموں نے رسول اللہ کے داماد کو شہید کر کے ان کے
دل میں غم کے تیر پھیست کر دیے ہیں۔
انھوں نے علی مرتضیؑ کا سر ہی دوبارہ نہیں کیا
 بلکہ خدا کے ہاتھ (یہد اللہ۔ حضرت کا لقب) کو بھی کاٹ
ڈالا ہے۔

جب سے علیؑ کی پیشانی پر شمن کی تلوار لگی ہے
چاند اور سورج کی پیشانیاں بھی داغدار ہو گئی ہیں۔
یوں معلوم ہوتا ہے جیسے شق القمر کا معجزہ دوبارہ دنیا پر
ظاہر ہو گیا ہے۔

علیؑ کی پیشانی چاند کی طرح دو ٹکڑے ہو گئی ہے۔
زینب و اُمّ کنوئم کے نالم و فرباد کی آوازیں بلند ہوئیں۔
حسنؑ اور حسینؑ نے اپنے عماء شدتِ غم سے زمین پلانا رکھنے۔
بُہلوں کا حرف در دو اُم میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہارون
بھی اس کی تاثیر میں کھوسا گیا۔ اور بہت دیر تک اس کے

گردیا۔ ” مجھے وہ بہشت چاہیے ۔ ”

بہلُول نے رقم لے لی اور بولا۔ ” تم نے قیمت ادا کر دی ہے ۔ ٹھہرو ۔ میں اس کا قبائلہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں ۔ ” زبیدہ بہنسی۔ ” میں اس وقت جلدی میں ہوں بہلُول ۔ تم اس کا قبائلہ لکھ کر محل میں لے آنا ۔ ”

وہ اتنا کہہ کر آگے ٹھہر گئی ۔ بہلُول بھی اپنی مٹی کی ڈھیریاں ڈھا کر انٹھ کھڑا ہوا اور وہ سب دینار اپنی جھوٹی میں ڈال کر ضرورت مندوں اور تاداروں کی تلاش میں نکل گیا ۔

زبیدہ سب کچھ بھول کر اپنے معمولات میں مصروف ہو گئی ۔

رات اپنے بستر پر گئی ۔ آنکھ لگی ۔ تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے خوشنا باغ میں ہے ۔ جس کا تصور کرنا بھی محال ہے کہ وہ روتے زمین پر اس کی کوئی مثال ہو سکتی ہے ۔ وہ

حیران نظروں سے اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی ۔ اس نے آہستہ آہستہ قدم انٹھاتے اور ہر لحظہ حیرت میں ڈوبتی چل گئی ۔ اس کے چاروں طرف عظیم الشان محلات تھے ۔ جن کے درودیوار میں جڑتے ہوئے ست رنگے جواہرات نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے ۔ چین میں بہتی ہوئی نہروں کا پانی متبویں جیسا شفاف تھا ۔ گلستان کی بہار قابلِ دنید تھی ۔ گلیاں پٹک رہی تھیں ۔ بھول کھل رہے تھے ۔ فضائیں معطر تھیں

بیٹھے ہوئے دیکھا ۔ وہ بچوں کی طرح ریت سے ٹھیل رہا تھا ۔ کبھی وہ اس کی جھوٹی جھوٹی ڈھیریاں بناتا ۔ کبھی ان کیاریوں کی شکل دیتا ۔ کبھی ان گھونڈوں میں کھڑکیاں اور دروازے بناتا ۔ زبیدہ کچھ دیر اس کا یہ کھیل دیکھی سے دیکھتی ہے ۔ پھر اپنی چند کنیزوں کے ساتھ باہر آئی ۔ اور بہلُول کے پاس آن کھڑی ہوئی اور اسے متوجہ کیا ۔ ” بہلُول یہ کیا کر رہے ہو؟ ” بہلُول نے سراٹھا کر دیکھا ۔ ” یہ میں جنت کے محل بنارہا ہوں ۔ ” اتنا کہہ کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا ۔ ” اچھا ۔ ॥! زبیدہ نے مخصوصی حیرت سے کہا ۔ پھر کچھ بوج کربوی ۔ ” بہلُول ۔ تم بہشت کے یہ محل بیچتے بھی ہو؟ ” ” ہاں بیچتا ہوں ۔ ” بہلُول نے جواب دیا ۔ ” کہتے دینار میں ۔ ہو؟ ” زبیدہ نے مزا جاؤ پوچھا ۔ ” صرف ۔ سو دینار میں ۔ ” بہلُول نے بتایا ۔

زبیدہ نے سوچا کہ اس طرح مناق ہی مناق میں بہلُول کی مدد بھی ہو جائے گی ۔ اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ بہلُول کو سو دینار ادا کر دیے جاتیں اور بہلُول سے بولی ۔ ” بہلُول میں بھی ایک بہشت خریدنا چاہتی ہوں ۔ ”

” کون سی؟ ” بہلُول نے استفسار کیا ۔ ” زبیدہ نے یوں ہی ریت کی ایک کیاری کی جانب اشارہ

وہ رُوئے زمین پر کہیں نہیں تھے —

اس کا رواں رواں مَسْرَت و شادمانی سے ناجُّ اٹھا —

اس نے بے خودی میں ہارون کو جگایا اور پھولے ہوتے سانسوں کے درمیان بولی — "قُلِ اللَّهُ أَكْبَر" — آج میں نے سو دنیا میں بُہلوں سے ایک بہشت خریدی تھی — میرا خیال تھا کہ وہ ایک مذاق ہے — دیوانے کی بڑتی ہے — مگر وہ ابھی بھی

مجھے خواب میں دکھلا دی گئی ہے — اس کا قبالتہ میرے نام ہے — میں نے ابھی اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

"تمھارا دماغ تو درست ہے — آحمق — کہ تمھیں بھی اس دیوانے نے پاگل بنادیا ہے" — ہارون نے

اپنی نیند خراب ہونے کی خفگی سے کہا —

"نہیں — میں سچ کہہ رہی ہوں — میں نے خواب بہشت کا جو بُہلوں نے زُبیدہ کے ہاتھ فروخت کی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی — وہ بہت دیر تک خواب کے سخن میں کھوئی رہی — اس کی آنکھوں میں وہ تمام فردوسی مناظر رقص کرنے لگے — اس نے سوچا — غور کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے — وہ

خواب کی صورت میں ایک بشارت ہے — بُہلوں کا وعدہ سچ تھا — کیونکہ اس نے بہشت کا قبالتہ لکھ کر دینے کا وعدہ کیا تھا اور جیسے نظارے اس نے خواب میں دیکھے تھے —

"اوہ — یہ وقت ایسے اُلطی سیدھے خواب سنانے کا ہے — خاموش ہو جاؤ اور میری نیند خراب نہ کرو" —

ہارون نے غصے سے کہا اور کروٹ بدلتی —

اور ہواں میں تازگی اور خوشگواری تھی — روشنیں پھولوں سے بھری تھیں اور ان کی مہک نرالی تھی —

اتنی خوب صورتی — اتنا حسن اور دلکشی یا کجا دیکھ کر زبیدہ حیران ہو رہی تھی کہ کچھ غلام اور کنیز میں صفائی باندھے قریب آئے — زر بخار کرسی پیٹھنے کے لیے پیش کی اور مودبانتہ ہجے میں بولے — "تشریف رکھیے" —

زبیدہ تصویرِ حیرت بنی اس زریں گرسی پر بیٹھ گئی —

ایک کنیز آگے بڑھی اور اس نے ایک دستاویز چاندی کی طشتری میں رکھ کر زبیدہ کو پیش کی — زبیدہ نے کچھ تند بذب سی ہو کر دستاویز اٹھاتی اور ڈرتے ڈرتے اس پر نگاہ ڈالی۔

اس میں سونے کے حرفوں سے لکھا تھا : — "یہ قبالتہ اس

دیر تک خواب کے سخن میں کھوئی رہی — اس کی آنکھوں میں وہ تمام فردوسی مناظر رقص کرنے لگے — اس نے سوچا — غور

کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے — وہ

خواب کی صورت میں ایک بشارت ہے — بُہلوں کا وعدہ سچ تھا — کیونکہ اس نے بہشت کا قبالتہ لکھ کر دینے کا وعدہ کیا تھا اور جیسے نظارے اس نے خواب میں دیکھے تھے —

دے دوں گا۔ ایک بہشت میرے ہاتھ بھی فروخت کر دے۔”
ہارون نے کہا۔

بُہلُول نے قہقہہ لگایا۔ ”ہارون تیری ملکہ نے تو
آن دیکھے یہ سودا کیا تھا۔ تو نے تو اُس سے سب کچھ سُر، لیا
ہے۔ اب اس کی قیمت ادا کرنا تیرے بس میں نہیں۔“



بُہلُول کی اس کرامت نے ہارون کو فکر مند کر دیا۔ وہ
نہیں چاہتا تھا کہ بُہلُول کی کوئی ایسی بات لوگوں کو اپنی طرف
مُتوثّر کرے اور وہ اس کے مُعتقد بن جائیں۔ کیونکہ اسے یہ بھی
بدگمانی تھی کہ امام مُوسیٰ بن جعفرؑ جنھیں اس نے قید کر کھا
تھا۔ وہ ان سے خفیہ را بطر کرتا ہے اور اس کے خلاف
پروپیگنڈہ کرتا ہے۔ اس نے ان جاسوسوں کو بُلوا یا۔ جو بُہلُول
کے بارے میں سے تمام جسمیں پہنچاتے تھے اور ان سے بولا
”تم لوگوں نے بُہلُول کے بارے میں کیا پستہ چلا یا
ہے؟“

”جان کی آمان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔“ ایک شخص
نے جڑات کی۔

”آفان ہے۔“ ہارون نے کہا۔

لیکن زُبیدہ کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ وہ تمام
رات اس نے اسی تصور میں گزار دی۔ صبح اٹھتے ہی وہ
پھر ہارون کے گرد ہو گئی اور اسے قسمیں کھا کھا کر اپنا
خواب سُنسایا اور اسے یقین دلایا کہ اس کا خواب سچا ہے اور
بُہلُول سے خریدی ہوئی جتنی حقیقت ہے۔

ہارون نے بُہلُول کو بُلا بھیجا۔ وہ اپنی گُددی میں لپٹا
شہنشاہوں کی سی شان سے آیا اور معنی خیز لمحے میں ہارون
سے بولا۔ ”تجھ جیسے بادشاہ کو مجھ فقیر کی ضرورت کیوں آن
پڑی ہے؟“

”سُنا ہے۔ تو نے بہشت بیچنے کا کاروبار شروع کر دیا
ہے۔“ ہارون نے مذاق اڑایا۔
”مابدولت تو یہ کاروبار کب سے کر رہے ہیں؟“ بُہلُول
نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”سُنا ہے تو نے ملکہ کو بھی کوئی بہشت بیچی ہے۔“
ہارون نے سوال کیا۔

”ہاں۔“ !! بُہلُول نے اشبات میں سر ہلا کیا۔
”کتنے میں؟“ ہارون نے پوچھا۔

”سودینار میں۔“ وہ بولا۔
”بہت خوب۔“ میں بھی تھے سودینار سے کچھ زیادہ ہی

کرتا تھا اور موقع کی تاک میں تھا کہ سوداگر کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ وہ شہر میں سُود پر روپیہ بھی چلاتا ہے۔“

کچھ مدت گزری اس شریف سوداگر کو روپے کی ضرورت پڑی۔ اس نے یہودی سے قرض مانگا۔ وہ روپیہ دینے پر تیار تو ہو گیا۔ لیکن اس نے ایک نزاں شرط رکھی کہ اگر سوداگر وقت مقررہ پر اس کا قرض ادا نہ کر سکا۔ تو وہ اس کے بدلتے میں اس کے جسم کے جس حصے سے چاہے گا۔ ایک سیر گوشت کاٹ لے گا۔ سوداگر مجبور تھا۔ اس کی عزت پر بنی تھی۔ اس نے مجبوراً شرط مان لی اور پکی دستاویز لکھ کر یہودی کے حوالے کر دی۔“

”الْقَاقِ ایسا ہوا کہ وہ سوداگر وقت مقررہ پر قرض ادا نہیں کر سکا۔ تو یہودی نے فوراً عدالت میں مُقدمہ دائر کر دیا کیونکہ اس کے پاس سوداگر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویز موجود تھی۔ اس لیے قاضی کو فیصلہ یہودی کے حق میں ہی دینا تھا۔ مگر وہ آج کل پر طالثا رہا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہودی سوداگر کا سخت ترین دشمن ہے۔ وہ اس کا ایسا عضو کاٹنا چاہتا ہے جو اس کی موت کا باعث بن جاتے۔ یہودی ہر روز قاضی سے حکم جاری کرنے کا تقاضا کرنے لگا۔ قاضی کے پاس بھی سوداگر کے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں تھی۔“

”عالیٰ جاہ۔! اُسے دیوانہ نہیں۔ دانا لہنا چاہتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اُس نے خود پر دیوانگی کا ایک خول سا چڑھا رکھا ہے۔ وہ دانشمندی میں اچھے بھلے ہوش مندوں کو مات دے دیتا ہے۔ ہم نے اس کی بہت بُنگرانی کی ہے۔ مگر کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس پر گرفت کی جاسکے۔“ ایک وزیر نے جواب دیا۔

”ہمیں خبر ملی ہے کہ اس نے عوام کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ لوگ اپنی مشکلیں لے کر اس کے پاس جاتے ہیں۔“ ہارون نے ناگواری سے کہا۔

”آپ نے بجا فرمایا۔ ظلٰ نسبحانی۔!!! یہ حقیقت ہے کہ وہ لوگوں کے کام آتا ہے اور بڑے عجیب انداز میں ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں بغداد کے سوداگر کا قصہ بیان کروں۔ جس کی مشکل بہلوں نے آسان کی ہے۔“ دوسرے مشیر نے گفتگو میں حصہ لیا۔

”اجازت ہے۔“ ہارون نے اجازت دی۔

”اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ بغداد کا ایک شریف سوداگر عجیب مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہ بہت کم مُنافع پر عالی پیچتا ہے۔ اس لیے شہر میں ہر دلعزیز ہے۔ اس کا ایک کاروباری رقیب جو یہودی ہے۔ اس سے حسد

لوچھر ٹھیک ہے بھائی۔ تھیس پورا حق حاصل ہے کہ تم سوداگر کے جسم سے ایک سیر گوشت کاٹ لو۔ جہاں سے جی چاہے کاٹ۔ لیکن اتنا خیال رکھنا کہ شرط صرف گوشت کی ہے اور وہ بھی پورا ایک سیر۔ نہ کم نہ زیادہ۔ اور خون کا ایک قطرہ نہ نکلے۔ اگر تم نے ایک سیر سے کم یا زیادہ کاٹا یا سوداگر کا خون ضائع ہوا تو تھیس اقدام قتل کی سزا ملے گی۔

بھول نے بہت منے سے کہا۔
یہودی کامنہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ لوگ عَش عَش کرُّجھے اور قاضی نے حکم دیا کہ یہودی کو صرف رقم ادا کر دی جاتے۔
”بہت خوب“۔ !!! ہارون نے توصیفی انداز میں کہا
”بہت دُور کی کوڑی لایا بھول“۔

”عالی جاہ“۔ اس کا دیوانہ داغ اکثر دُور کی کوڑی لانا ہے۔ اگر مجھے اجازت ہو تو میں بتاؤں کہ اس نے ایک بیوقوف غلام کو کیا خوب سبق سکھایا۔ کوئی دوسرا مفترض بولا۔
”بیان کرو“۔ ہارون نے اجازت دی۔

چند روز ہوئے یہ خاکسار ایک کشتی میں بصرے گیا۔ اس میں اور لوگوں کے ساتھ بھول بھی سوار تھا۔ اچانک ایک سوداگر کا غلام رونے اور چلانے لگا۔ ”خُدا کے لیے مجھے کشتی سے اُتا رو۔ نہیں تو میں مر جاؤں گا۔ خُدا کیلئے

لوگ بھی اس کے حال پر کڑھتے تھے۔ کسی نے بھول سے جی یہ قصہ جا کھا۔ اس نے آتو دیکھا نہ تاؤ۔ اپنی گدڑی اٹھا کر کندھے پر ڈالی اور قاضی کی عدالت میں جا پہنچا۔ اور قاضی سے بولا۔

”قاضی جی۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں انسانیت کے ناطے اس سوداگر کی وکالت کروں؟“

قاضی نے اُسے اجازت دے دی۔ تو وہ اپنا عصا کھٹکھٹا آگے بڑھا اور بڑے اطمینان سے سوداگر اور یہودی کے درمیان جا بیٹھا۔ اور سوداگر سے بولا۔ ”بھائی سوداگر! کیا تو نے اس کو دستاویز لکھ کر دی ہے کہ اگر تو قرض ادا نہ کر سکے تو اسے اختیار ہے کہ یہ تیرے جسم کا ایک سیر گوشت جس جگہ سے چاہے اُتا لے۔“

”مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔“ وہ ہندی سانس بھر کر بولا۔

پھر بھول یہودی کی طرف متوجہ ہوا۔ ”کیوں بھائی کیا یہی دستاویز لکھی گئی تھی کہ تم اس کے جسم سے ایک سیر گوشت جہاں سے چاہو گے کاٹ لو گے۔“

”بالکل یہی اقرار ہوا تھا۔ میرے پاس دستاویز موجود ہے۔“ یہودی نے بڑے فخر سے بتایا۔

لوگ ہنس پڑے۔ کچھ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ غلام اور زیادہ چیخ و پھار کرنے لگا۔ بُہلُول بولا۔ بھائیو۔ جب اس کے مالک نے اجازت دے دی ہے تو تمھیں کیوں تأمل ہے۔ شاباش انھو۔ اس کو سمندر میں دوچار غوطہ دلوادو۔ چلو یسم اللہ کرو۔

سوداگر نے اس کی تائید کی۔ تو غلام کے قریب بیٹھے ہوتے لوگوں نے اس کو پکڑ لیا۔ غلام نے واویلا مچا کر آسمان سر پر اٹھایا۔ بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر اس کی ایک نہیں چلی۔ کچھ آدمیوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور سمندر میں غوطہ دینے لگے۔ وہ بچاؤ۔ بچاؤ۔ کاشور مچانے لگا۔

چند لمحوں بعد بُہلُول نے کہا۔ "یار۔ اس بچائے پر ترس کھاؤ اور اب بس کرو۔ اس کا علاج ہو گیا ہے۔" مسافروں نے اسے واپس کھینچ لیا۔ اس نے ہانپتے کانپتے اپنے ناک اور مسنہ سے پانی نکالا۔ بال پوچھے اور ایک کونے میں بالکل چُپ بیٹھ رہا۔ باقی مسافروں نے حرمت سے اس کی اس خاموشی کو دیکھا۔ اور بُہلُول سے سوال کیا کہ "اس نے یہ نسخہ کیونکر ایجاد کیا جو اس قدر کارگر ثابت ہوا۔؟"

بُہلُول نے ہنس کر جواب دیا۔ "اس بچارے کو کشتی

اس کشتی کو واپس لے جاؤ۔ سمندر کی اہر سی اسے الادیں کی ہم سب ڈوب جائیں گے۔ تمھیں خُدرا رسول کا واسطہ کشتنی کو روکو۔"

اسے ایک لمبھی قرار نہیں آ رہا تھا اور اس کی چیخ و پھار سے کشتی میں سوار لوگ بہت پریشان ہو رہے تھے۔ کچھ مسافروں نے اسے تسلی دینے کی کوشش بھی کی۔ ہر طرح سے سمجھایا۔ بُہلُول نے غلام کے مالک سے کہا۔ "جناب! اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے غلام کا خوف دور کر دوں۔ پچارا بہت پریشان ہے۔"

"نیکی اور پُوچھ پُوچھ۔" بھلا اس سے بہتر اور کیا بات ہو گی۔ اس کا کوئی بندوبست کرو۔ یہ خود تو پریشان ہے ہی۔ اس کی چیخ و پھار ہمارے دماغ پر بھی ہتھوڑے کی طرح برس رہی ہے۔ اللہ تمھیں جزاۓ خیر دے۔ اسے پُر سکون کر دو۔" سوداگر نے جلدی سے کہا۔ باقی لوگوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ بُہلُول نے قریب بیٹھے ہوتے لوگوں سے کہا۔ "بھائیو۔ تمھیں زحمت تو ہوگی۔ ذرا اس بچارے غلام کو اٹھا کر سمندر میں تین چار ڈبکیاں تو دلوادو۔"

دیوانوں اور درویشوں کی باتوں سے اکثر لوگ فال لیتے ہیں، اس نے بھی بُہلوں کی بات پر عمل کیا۔ اتفاقاً اسے بہت زیادہ منافع ہوا۔

دو ڈھانی ماہ بعد، اس نے پھر مال خریدنے کا ارادہ کیا تو سوچا کہ پھر بُہلوں کی باتوں سے فال لی جائے۔ وہ اس کے پاس آیا۔ یہ اپنی ان دیوانی حرکتوں میں لگا ہوا تھا۔ تاجر نے اسے بُلایا۔ تو اپنے عصا پر سوار ہو کر شیخ کرتا آیا۔ اس نے اس کی حالت دیکھ کر کہیں کہہ دیا۔

”او پاگل بُہلوں — ذرا یہ تو بتا کہ اس بار میں تجارت کے لیے کون سا مال خریدوں۔“

بُہلوں فوراً بولا۔ ”جا بھائی پیاز اور تربوز خرید لے۔“ اس احمدی نے بغیر سوچے سمجھے اپنا تمام سرداری پیاز اور تربوز خریدنے میں لگا دیا۔ فصل کے دنوں میں تو ویسے ہی ان کی مانگ نہیں تھی۔ کچھ دن ذخیرہ کیے۔ تو وہ سڑگئے اور اسے خسارہ اٹھانا پڑا۔ وہ غصے میں بھرا ہوا بُہلوں کے پاس آیا اور بولا۔ ”او بُہلوں — تو نے مجھے یہ کیسا مشورہ دیا تھا۔ میرا سارا سرداریہ ڈوب گیا ہے۔ حالانکہ پچھلی بار تیرے مشورے سے مجھے بہت منافع ہوا تھا۔“

بُہلوں بولا۔ ”حضرت۔ پہلے روز جب آپ نے مجھ

کے آرام کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ سمندر میں غوطے کھا کر اسے یہ نکتہ سمجھو میں آگیا ہے کہ کشتی سمندر کے مقابلے میں کتنی محفوظ ہے۔“ ہارون مُسکرا یا۔ ”اس سخرے کا بھی کوئی ایسا ہی علاج کرنا پڑے گا۔ جو دیوانہ بن کر دوسروں کو دیوانہ بناتا پھرتا ہے۔“

”ظللِ الہی نے بجا فرمایا۔ ہمارا اندازہ بھی یہی ہے کہ وہ دیوانہ نہیں ہے۔ بلکہ دوسروں کو بیوقوف بنانے کے لیے ایسی حرکتیں کرتا ہے۔ کچھ روز پہلے تو ہمیں اس کا ثبوت بھی مل گیا کہ وہ دیوانہ۔ پاگل اور داشتماند میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“ ایک شخص نے کہا۔ ”وہ کس طرح۔؟ بیان کرو۔“ ہارون نے مفتی جسٹن بچھے میں کہا۔

”جب بُہلوں کو پاگل پئی کا دورہ پڑا تھا۔ تو ایک تاجر نے غالباً فال لینے کی غرض سے بُہلوں سے پوچھا۔ حضرت شیخ بُہلوں صاحب۔! مہربانی فرمائ کر مجھے مشورہ دیں کہ میں کونسا مال خریدوں جو نفع بخش ہو۔؟“

بُہلوں نے بڑے اطمینان سے کہہ دیا۔ ”بھائی تم لوہا اور روئی خرید لو۔ اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔“

ایک مُشیر نے مُحتاط لہجے میں کہا۔

”امان ہے“ — ہارون نے شاہانہ نخوت سے گویا احسان کیا۔

”اس پر الزام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ انہیاے سلف کی توہین کرتا ہے — اس لیے اسلام سے خارج ہے اور وابستہ القتل ہے“ — اس نے بتایا۔

”کوئی ثبوت“ — ؟؟ ہارون نے رُعِبِ شاہی سے کہا۔

”اس کا ثبوت بھی موجود ہے اور گواہ بھی“ — مُشیر بولا۔

”بیان کرو“ — ہارون نے تحکماں شان سے کہا۔

”کچھ لوگوں نے بُہلُوں سے حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں پوچھا کہ وہ کس قوم کے پیغمبر تھے؟ — تو وہ کہنے لگا۔ کہ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ اوباشوں اور عیاشوں کے پیغمبر تھے — لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے تو پیغمبرِ خُدا کی شان میں گستاخی کرتا ہے — تو اس نے یہ کہہ کر اپنی جان بچائی کہ میں نے پیغمبر کی شان میں تو گستاخی نہیں کی۔ میں نے تو ان کی قوم کی بات کی ہے — اس کی تائید قرآن پاک میں موجود ہے“ —

ہارون زیرِ لب مُسکرا کیا — اور بولا — ”نہیں — نہیں اُس پر یہ الزام ثابت نہیں کیا جاسکتا — یہ دیوانہ بڑا حاضر

سے مشورہ مانگا تھا — تو جناب شیخ بُہلُوں کہہ کر مجھے آواز دی تھی — گویا آپ نے مجھے دالشمند سمجھ کر میرے وقار کا خیال رکھا — میں نے بھی دالشمندی سے مشورہ دیا — لیکن دوسری بار آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کیا گوہرا فرشان فرمائی تھی؟ — ”نہیں“ — تاجر کو یاد نہیں تھا —

”آپ نے فرمایا تھا — اوپاگل بُہلُوں — !! چونکہ آپ نے مجھے پاگل سمجھ کر مخاطب کیا تھا — اس لیے میں نے بھی آپ کو پاگل پن سے ہی مشورہ دیا تھا“ —

”بہت خوب — !!! ہارون محفوظ ہوا — ”یہ تو ہمند دیوانہ ہے — اس کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا“ —

”آپ کا فرمانا بجا — لیکن حضور — اس کی اس دیوانگی نے اسے عوام سے بہت قریب کر دیا ہے — یہ فتن میں ان کی مشکلیں حل کرتا ہے — ہر غریب کے ساتھ اٹھ کر چل پڑتا ہے — اس پر ذرا احتیاط سے ہاتھ ڈالنا ہو گا“ — وزیر نے اٹھا ریخیال کیا —

”ہوں — تو پھر تم ہی بتاؤ کہ اس پر کون سی فری جرم عائد کی جائے کہ عوام میں کوئی روک عمل نہ ہو“ — ؟ ہارون نے پوچھا۔

”جان کی امان پاؤں — تو ایک تجویز پیش کروں“ —

مشیر کے کسی حاصل نے موقع غنیمت جان کر کہا۔ ”عالیٰ جاہ
مشیر صاحب نے وزیرِ مملکت کا واقعہ تو بیان کر دیا۔ لیکن
ذرا ان سے بھی تو پوچھیے کہ پچھلے ہفتے حضرت بُہلُول نے ان
کے ساتھ کیا کیا ہے؟“

ہارون نے اس کی جانب دیکھا۔ ”بولو۔ کیا
ہوا تھا؟“

وہ خفیف سا ہو گیا اور اس شخص پر قہر آؤ دنگاہ ڈال
کر بولا۔ ”ظلِ الہی۔“ حاصلوں کا کام دوسروں کو نیچا
دکھاتا ہے۔

”تم نے وزیرِ مملکت کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کا نشانہ
تمہاری اپنی ذات بھی بن گئی ہے۔“ فوراً وہ قصہ بیان
کرو۔ ہارون نے مرzenش کی۔

سرتابی کی مجال کس میں تھی۔ وہ محل سا ہو کر اپنا
قصہ آپ ہی کہنے لگا۔ ”عالیٰ جاہ۔“ اس روز میں نے
کھانے کے ساتھ پنیر بھی کھایا تھا۔ شاید اس کا کوئی رینڈ
میری ڈارٹھی میں بھی آٹکا رہ گیا۔ لیکن مجھے اس کی خبر
نہیں تھی۔ شومیت قسمت کہ بُہلُول اس طرف آتھلا اور
مجھ سے پوچھنے لگا۔ ”مشیر صاحب۔“ آج آپ نے
ناشستہ میں کیا تناول فرمایا ہے؟“

جواب ہے اور دوسروں کو لاجواب کرنے کا ہنسر خوب جانتا ہے۔
”عالیٰ جاہ۔“ ایسا ویسا حاضر جواب۔ اس نے تو
آپ کے وزیرِ مملکت کا ایسا ناطقہ بند کیا تھا کہ موصوف
بغلیں جھانکنے لگے تھے۔ حالانکہ وہ خود کو بہت حاضر دماغ
سبھتھے ہیں۔“ ایک مشیر نے وزیرِ مملکت کا تذکرہ کیا۔ جو
اس وقت محفل میں موجود نہیں تھا۔

”وہ قصہ کیا ہے، بیان کیا جائے؟“ ہارون نے جائز
دی۔

”عالیٰ جاہ۔“ ہوا یوں کہ ایک روز بُہلُول یہاں آیا تو
”اتفاقاً“ وزیرِ مملکت سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مزاحا
بُہلُول سے کہا۔ ”بُہلُول۔“ !! مبارک ہو۔ ابھی ابھی حکم
آیا ہے کہ خلیفہ نے تجھے گتوں، مرغوں اور سوروں کا امیر
اور حاکم بنادیا ہے۔

بُہلُول نے ایک لمحہ توقف نہیں کیا اور بڑے رُعب سے
بولा۔ ”خبردار۔“ اب ہمارے حکم سے سرتباہی کی جڑات نہ کرنا۔
اس حکم سے تو بھی میری رعیت ہو گیا ہے۔“ اس نے یہ
بات اتنی بے ساختگی سے کہی کہ وہاں موجود کوئی بھی اپنی نہیں
پر قابو نہیں پاسکا اور وزیرِ مملکت کو وہاں سے ٹلتے ہی بینی۔
ہارون ہنسنے لگا۔ تو اس کے خوشگوار مزارج سے شرپاکر

لیکن یاد رکھ کر حکومت تیری طرف سے غافل نہیں ہے۔
تیری سب سرگرمیوں کی خبر ہمیں برابر ملتی ہے۔
بہلول نے مضجع خیز صورت بنائی۔ ”ظاہر ہے کہ تمہارے
نمک حلال شکاری کوئی صحیح اطلاع ہی لے کر آتے ہوں گے۔
تواب خلیفہ مجھ سے کیسا سلوک کریں گے؟“
بھرے دربار میں مذاق اڑانے پر ہارون کو اور طیش آیا۔
”تمہیں ایسا سبق سکھایا جاتے گا کہ تم دوسروں کے لیے نمونہ
عربت بن جاؤ گے۔“ اس نے غصے سے کہا اور اپنے غلام کو
پکارا۔ ”مسرور“ لے جاؤ اس گستاخ کو۔ اس کے
پیڑے ٹمارلو اور اس پر گدھے کا پالان ڈال دو۔ اس
کے منہ میں لگام دو۔ اسے محل اور حرم سرا میں پھراو اور
اس کے بعد ہمیرے سامنے اس کا سر پر غور اڑادو۔“
دربار میں سنٹا چھاگیا۔ درباری ہبیت شاہی سے
کانپ گئے۔ لیکن بہلول شان بے نیازی سے کھڑا مسکراتا
رہا۔ مسرور ہگے بڑھا اور اس نے بہلول کی گدڑی ھبیٹ
کر پرے اچھالی۔ اس کا بوسیدہ لباس نوچ کر اس پر گدھے
کا پالان کس دیا۔ اس کے منہ میں لگام دی اور اسے کھینچتا
ہوا محل اور حرم سرا کی طرف لے گیا۔
شاہی درباروں اور محل سراقوں میں انسانیت کی تذلیل

میں نے ہنسی ہنسی میں کہہ دیا۔ ”میں نے کبوتر
کھایا ہے؟“
تو وہ کہنے لگا۔ ”تب ہی اس کی زیست آپ کی
ریش مبارک میں آٹکی ہوئی نظر آرہی ہے۔“
ہارون بے ساختہ ہنس پڑا۔ ”واللہ کیسا منخرہ
ہے یہ بہلول۔ کل اُسے دربار میں طلب کرو۔ ہم
خود اس سے بات کریں گے۔“

9

اگلے روز بہلول دربار میں حاضر تھا۔ ہارون اپنے
زرنگار تخت پر شاہی لباس پہنے بڑی تمکنت سے بیٹھا ہوا
تھا۔ بہلول اپنی بوسیدہ پاپوش اور پوینڈلکی گدڑی کے ساتھ
اُس کے حضور پیش کیا گیا۔ ہارون نے ایک ہر آلو نگاہ
اُس پر ڈالی اور خشمگین ہیچے میں بولا۔ ”بہلول۔ یا تو
بہت ہوشیار بنتا ہے۔ لیکن ہمیں پتہ چلا ہے کہ تو حکومت
کے باغی موسیٰ بن جعفرؑ کے دوست داروں میں سے ہے۔
اُنھی کے حکم پر تو دیوانہ بننا ہوا ہے۔ تاکہ عوام کو ان کی طف
مُتوجہ کر کے ہماری حکومت کا تختہ الٹ دے۔ تو سمجھتا
ہے کہ پاگل ہونے کی وجہ سے تیری کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔“

روز کا مغمول ہے — اس لیے بُہلُوں کی اس ہدیتِ کذائی پر کسی کو تعجب نہیں ہوا — محل اور حرم سرا کے مکین انسانیت کی اس توبین کو تماشے کی طرح دیکھتے رہے — کسی نے سوچا کہ بُہلُوں تو دیوانہ ہے — اس لیے سزا کا مستوجب نہیں — لیکن جان کے خوف نے زبانوں کو بند کر رکھا تھا — کوئی کچھ نہ کہہ سکا —

مسرور اُس کی رگامِ ہمینچتا اُسے دربار میں واپس لے آیا۔ اور ہارون کے سامنے ادب سے چھک کر بولا — ”عالیٰ جاہ ! آپ کے حکم کی تعمیل ہوتی — کیا اس کی گردان اڑادی جاتے ؟“ ہارون نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ ناگاہ اس کا وزیر جعفر بر مکی دربار میں داخل ہوا — اس نے چرت سے بُہلُوں کی یہ حالت دیکھی اور بولا —

بُہلُوں — نیزرت تو ہے — ایسا کیا قصور ہو گیا ہے تم سے جو یہ حالت بنی ہے ؟ —

بُہلُوں ہنسا — ”جناب عالی — یہ تو کچھ بھی نہیں — ابھی تو میری گردان بھی ماری جائے گی“

”مگر کس جرم میں“ — ؟ جعفر بر مکی نے پوچھا۔

”میں نے ایک سمجھی بات کہہ دی تھی — جس کے انعام میں خلیفہ نے مجھے یہ خلعتِ فائزہ عطا کی ہے اور جامِ مرگ

میرا انتظار کر رہا ہے“ —
ہارون کو بے ساختہ ہنسی آگئی — خلیفہ کو منہستے دیکھ کر درباری اور جعفر بر مکی جو اپنی ہنسی ضبط کر رہے تھے — وہ بھی ہنس پڑے — ہارون کا غصہ کافور ہو گیا اور اس نے شاہی حکم جاری کیا — ”جیسی بُہلُوں نے کہی ہے اسے ویسی ہی خلعتِ فائزہ عطا کی جائے“ —

”خلیفہ کے اس کرم کا شکریہ — مجھے اپنی پونڈ لگی گذری ہی خدمت ہے“ — بُہلُوں نے اپنی گذری شانے پر ڈال لی۔ ”بُہلُوں کو دریم و دینار عطا کیے جائیں“ — شاہی فرمان جاری ہوا۔

”نہیں — مجھے اب جہنم کی پیشانیوں اور پیشتوں پر لگنے والی ہڑوں کی ضرورت نہیں“ — بُہلُوں چلنے پر تیار ہو گیا۔ ہارون نے اسے روکا — ”بُہلُوں — اگر تم اس انعام و اکرام کو اپنے استعمال میں نہیں لانا چاہتے تو غربوں اور محجاوں میں باٹ دینا — ان کا بھدا ہو جائے گا“ —

بُہلُوں رک گیا اور اس نے رقم کی تھیلیاں غلام سے لے لیں — چند قدم چلا اور رک گیا — کچھ سوچنے لگا — پھر آگے بڑھا اور رک گیا — پھر کچھ سوچا اور واپس پیٹ آیا — اس نے رقم کی تھیلیاں ہارون کے سامنے ڈھیر کر دیں — اور بولا:

تیری دیوانگی ہم جیسے ہوش مندوں کے لیے ایک نعمت ہے۔
تیری اس بات نے میرے دل کو نرم کر دیا ہے۔— میرا جو چاہتا
ہے کہ تجھ سے کچھ پند و نصیحت کی فرماش کروں۔“

غلاموں نے فوراً ہی بُہلوں کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنی مخصوص
شان بے نیازی سے گویا ہوا۔— ہارون۔ پچھلے خلیفوں کے
 محلوں اور ان قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ تو خوب جانتا
ہے کہ یہ لوگ عرصۂ دراز تک ان محلوں میں عیش و عشرت
کی زندگی گزارتے رہے۔ اور اب قبروں میں پڑے پھٹاتے
اور افسوس کرتے ہیں کہ کاش۔ انہوں نے اپنی آخرت کے لیے
کچھ نیک اعمال اپنے ساتھ لے لیے ہوتے۔ مگر اب انہیں
اس پچھتاوے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہم سب بھی
جلد یا پذیر اسی انجام کو پہنچنے والے ہیں۔ جب یہ شاہی
رُعب وَ دَبَّرَہ اور شان و شوکت کوئی کام نہیں دے گی۔“
ہارون پر کپکپی سی طاری ہو گئی۔— مُتَائِسْفٰ ہیجے میں
بولا۔— ”بُہلوں کچھ ایسے اعمال بتا جن کے بجالانے سے
اللہ مجھ سے خوش ہو جائے۔“

”اس کی مخلوق کو خوش کر۔ وہ تجھ سے راضی ہو جائے
گا۔“— بُہلوں نے جواب دیا۔

”اب اس کی تدبیر بھی بتادو کہ خلقِ خدا کو کس طرح خوش

ہارون۔— میں نے بہت سوچا ہے کہ ان اشرفیوں کی سب
سے زیادہ ضرورت کیس کو ہے۔— لیکن مجھے تجھ سے زیادہ
مشتیخی کوئی اور نظر نہیں آیا۔— تجھ سے زیادہ نادار اور ضرورتم نہ
شاید اور کوئی نہیں۔— کیونکہ میں روز دیکھتا ہوں کہ تیرے
کارندے ہر جگہ لوگوں کو کوڑے مار فار کران سے ٹیکس وصول
کرتے ہیں۔ تاکہ تیرے خزانے پُر ہوں۔ سارے شہر میں سب
سے بڑا ضرورت مندر تو تو خود ہے۔— اس لیے یہ رقم تو ہی
رکھ لے۔“

خلیفہ دم بخود رہ گیا۔— اہل دربار سنائے میں آگئے۔— بُہلوں
کے انجام کا سوچ کر ان کے روگٹے کھڑے ہو گئے۔— لیکن بُہلوں
اطمینان سے چل کھڑا ہوا۔

”روکو۔!!! روکو اس دیوانے کو روکو۔“ اچانک خلیفہ
ہارون کی آواز گوئی۔

اہل دربار اس تصور سے ہی کانپ گئے کہ اب بُہلوں کا
کاعتاب شاہی سے بچنا محال ہے۔

دو غلام تیزی سے آگے بڑھے اور بُہلوں کو گھسیٹ کر
ہارون کے سامنے لے آئے۔

ہارون کی آنکھیں نم تھیں اور پیشمانی نے اس کی آواز کو
پست کر دیا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر بولا۔— ”بُہلوں۔

”تو پھر میری خواہش اور آرزو یہی ہے کہ میری صحتوں پر عمل کرو۔ لیکن افسوس کہ دنیا کی شان و شوکت اور اقتدار کا نشہ بہت جلد میری ان صحتوں کو فراموش کرادے گا۔“
یہ کہتا ہوا وہ دربار سے باہر نکل گیا۔ پارون اور اہل دربار تجھکے ہوتے سروں کے ساتھ خاموش بیٹھ رہ گئے۔



بہلوں اپنے ویران کھنڈر میں واپس آیا۔ تو دیکھا اس میں قدموں کے نشان ہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی یہاں آیا ہے۔ اس نے فوراً ایک خاص جگہ پر دیکھا۔ تازہ کھدی ہوئی مٹی جس کو ہموار کیا گیا تھا۔ بتاہی تھی کہ اس کا اندریشہ درست تھا۔ اس نے اپنی چھپڑی سے مٹی کو ہٹایا۔ اس کی جمع شدہ رقم غائب تھی۔
بہلوں کچھ رقم کسی ہنگامی ضرورت کے لیے مٹی میں چھپا کر رکھتا تھا۔ غالباً کسی نے اسے رقم چھپاتے ہوئے تاڑ لیا تھا۔ اس نے اپنی گدڑی اٹھاتی اور چل پڑا۔ اور نزدیک ہی واقع موجی کی دوکان پر پہنچا۔ اور بڑی خوش طبعی سے اُسے سلام کیا۔

”او۔ آؤ بہلوں۔ !!! کیسے آنا ہوا۔؟ موجی نے

رکھا جاسکتا ہے۔“ ہارون نے پوچھا۔

”عدل و انصاف میں سب کو برابر کا درجہ دو۔ جو اپنے لیے مُناسِب نہیں سمجھتے۔ دوسروں کو بھی اس کا سمجھتے نہ سمجھو۔ مظلوم کی فریاد توجہ سے سُنو اور انصاف سے فیصلہ کرو۔“ بہلوں نے بُردباری سے کہا۔

”آفرین صد آفمن۔ بہلوں۔ مرحبا۔ !!! تم نے کسی حق بات کہی ہے۔ مرحبا۔ !!! ہارون نے توصیفی لمحے میں کہا۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے درباریوں نے بھی نعرہ ہائے تحسین بلند کیے۔

ہارون نے حکم شاہی جاری کیا۔ ””حکم دیا جاتا ہے کہ شاہی خزانے سے بہلوں کے تمام قرض ادا کر دیے جائیں۔“ ”ہارون قرض سے بھی کبھی قرض ادا ہوا ہے۔“ بہلوں نے اسے مُخاطب کر کے کہا۔ ”شاہی خزانے میں جو کچھ ہے۔ وہ عوام کا مال ہے اور خلیفہ پر قرض ہے۔ تمہارے لیے یہی مُناسِب ہے کہ عوام کا قرض انہیں لوٹا دو۔ مجھے تمہارا یہ احسان نہیں چاہیے۔“

”تو پھر بہلوں کوئی تو خواہش کرو۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ تمہاری کوئی آرزو پوری کروں۔“ ہارون نے زور دے کر کہا۔

کے صحن میں تو پورے پانچ سو ہیں — ہاں یاد آیا نہ کہ کنارے
بھی پچاس سکے دفن ہیں — تو یہ سب ملا کر گل کہتے ہوئے؟
بہلوں نے پوچھا۔

”اگر یہ سکے سونے کے ہیں تو ان کی مالیت دو ہزار کے
لگ بھاگ ضرور ہے“ — موجی نے حساب لگا کر بتایا۔
بہلوں کچھ دیر سوچتا رہا پھر سڑاٹھا کر بولا — ”یار میں
چاہتا ہوں کہ ان سب جگھوں سے وہ تمام سکے نکال لاؤں اور
اس دیرانے میں پھپھا دوں — یہاں آمد و رفت کم ہے — میرا
خیال ہے یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے“ —

یہ تو بہت اپھا خیال ہے — تمام رقم ایک جگہ رکھو تاکہ
جب ضرورت پڑے تو نکالنے میں آسانی ہو“ — موجی نے
دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے مشورہ دیا۔

بہلوں اپنی چھڑی کے سہارے اٹھا — ”اپھا تو بھائی
میں چلتا ہوں — آج ہی یہ کام کروں تو اپھا ہے — سارے
سکے نکال کر لے آؤں اور یہاں گاڑ دوں — میرے لیے ڈنگنا کرنا۔“
”ہاں — چاود — اللہ متحارا نگہبان ہو“ — موجی نے
اسے الوداع کہا۔

وہ چلا گیا — تو موجی نے سوچا کہ اس نے بہلوں کے جو
سکے زمین کھو دکر چڑھاتے تھے — انھیں واپس رکھ آتے تاکہ جب

خوشی سے پوچھا۔

”میں نے سوچا کہ تم سے مل آؤں — پھر تم سے ایک
کام بھی ہے“ — بہلوں نے کہا۔

”کیسا کام“ — ؟ موجی نے پوچھا۔

”تم ایک اچھے انسان ہو — مجھ جیسے دیوانے کے ساتھ
بھی خوش اخلاقی سے پیش آتے ہو — میں تم سے ایک مشورہ
لینا چاہتا ہوں“ — بہلوں نے کہا۔

”یہ متحاری نہ ربانی ہے کہ تم ایسا سمجھتے ہو“ — موجی
نے خوش ہو کر کہا۔

بہلوں ذرا قریب ہوا اور بولا — ”تم تو جانتے ہو کہ
میں دیرانوں، کھنڈروں اور خالی مکانوں ہی میں رہتا ہوں
میں جہاں بھی رہا — وہاں تھوڑی بہت رقم اپنے بڑے وقت
کے لیے بچا کر زمین میں دفن کر دی — تم ذرا حساب لگا کر مجھے
بتا دو کہ یہ رقم گل کتنی ہوتی ہے“ —

”ہاں — ہاں کیوں نہیں — تم بتاؤ — میں حساب کرتا
ہوں“ — موجی نے فراغ دلی سے کہا۔

”خدا متحارا بھلا کرے — شہر کے مشرقی گوشے میں جو
کھنڈر ہے — وہاں میں نے شاید سو سکے دبار کھے ہیں۔
قبرستان میں تقریباً ڈھانی سو سکے ہوں گے اور ایک مکان

بُہلُول سیدھا ہو بیٹھا۔ ”مجھے بھی اس عالیشان مکان
کے مالک سے میل کر بے حد خوشی ہوتی ہے“
”مجھے امید ہے کہ آپ اس ماہ کا کرایہ ادا کر دیں گے۔“
مالک مکان نے کہا۔

بُہلُول نے مکان کی لرزتی ہوتی چھت اور شکستہ دیواروں
کی جانب اشارہ کیا۔ ”جناب نے اپنے اس شاندار محل کی
حالت ملاحظہ فرمائی ہے کہ ذرا سی ہوا چلے تو اس کی چھت اور
دیواریں بولنے لگتی ہیں۔“

بے شک! بے شک! آپ درست فرماتے ہیں۔
آپ جیسا بزرگ یہ بھی جانتا ہو گا کہ تمام موجوداتِ عالم خدا
کی تَحْمِد و شناکرتے ہیں۔ یہ جو آواز آپ سُننے ہیں یہ اس مکان
کے تسبیح کرنے کی صدائے ہے۔“ وہ بولا۔

بُہلُول نے اپنا عصا سنبھالا اور فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور
بولा۔ ”حضرت! آپ جیسے والشنید انسان کو یہ تو معلوم ہو گا
کہ موجودات تَحْمِد و شنا اور تسبیح و تَہلیل کے بعد سجدہ بھی کرتے
ہیں اور میں آپ کے اس مکان کے سجدہ کرنے سے پہلے ہی
یہاں سے رخصت ہو جانا چاہتا ہوں۔“ اس نے گڈڑی
سنبھالی اور مکان سے باہر نکل آیا۔

بُہلُول اپنے باقی سکے لے کر آئے تو اسے شک نہ ہو۔ اور وہ
اپنی باقی دولت بھی یہاں گاڑ دے۔ اس کے بعد وہ موقع
دیکھ کر ساری رقم نکال لے گا۔

وہ جلدی سے گیا اور اسی جگہ بُہلُول کی رقم دبا کر واپس
آگیا۔ بُہلُول کہیں شام کو واپس آیا۔ اس نے مٹی ہٹاگر
اپنی رقم نکال لی اور وہ ویرانہ چھوڑ کر چلا آیا۔ موجی بچارہ
اس کا انتظار ہی کرتا رہ گیا۔

وہ اپنی رقم نکال کر اس ویرانے سے نکلا اور کوئی دوسرا
ٹھکانہ تلاش کرنے لگا۔ ”اتفاقاً“ اسے ایک شکستہ مکان نظر
آیا۔ جو خالی پڑا تھا۔ تمام شہر جانتا تھا کہ وہ ویرانوں سے
مانوس ہے۔ اور ایسی ہی جگہوں پر رہتا ہے۔ اس لیے
عموماً کوئی اس سے تعریض نہیں کرتا تھا۔ اس کی بے سرو
سامانی ہی اس کا اٹاثہ تھی۔ اس نے اس شکستہ مکان کا
ایک گوشہ صاف کیا اور وہیں ڈیڑا جایا۔

ابھی اسے وہاں بسیرا کیے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوتی تھی
کہ ٹوٹے ہوئے دروازے سے ایک شخص اندر داخل ہوا۔
اس نے سلام کیا اور بولا۔ ”واہ۔ واہ۔!! بہت خوب۔!
یہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے کہ بُہلُول جیسا نامور شخص
میرا نیا کرایہ دار ہے۔“

صفائی میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ عتابِ شاہی اور جوش میں آیا۔ ”کل اس سیاست کو دربار میں طلب کیا جائیگا اگر تم لوگ اس کے سوالوں کے جواب نہ دے سکے تو تمہاری سب جائزیات اور مال و دولت اس کے حوالے کر دیا جائے گا“

ہارون نے دربار برخاست کیا۔ درباریوں میں گھبلی مجگنی ان کی پریشانی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ سب ایک جگہ جمع ہو کر سوچنے لگے کہ بادشاہ کے عتاب سے کیوں کر بچا جاسکتا ہے۔ آخر ایک شخص کو اچانک یاد آیا اور وہ خوشی سے بولا۔ دوستو! اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہمارے پاس بہلوں جو موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ سیاست کو لا جواب کر دے گا۔ اور اس کے سب سوالوں کے جوابات ٹھیک ٹھیک دے گا۔ باقی سب لوگوں کی بھی جان میں جان آئی۔ اور وہ سب مل کر بہلوں کے پاس پہنچے۔ اسے تمام ماجرا سنایا۔ تو اس نے انھیں تسلی دی کہ وہ اگلے دن دربار میں پہنچ کر سیاست کے سوالوں کے جوابات ضرور دے گا۔

اگلے روز دربار آراستہ ہوا۔ وزیر، امیر، مُشیر زریں گُرسیوں پر بیٹھے۔ ہارون اپنے زرنگار تخت پر متمنکن ہوا۔ سیاست کو بھی ایک گُرسی پیش کی گئی۔ ہارون نے اہل دربار پرنگاہ ڈالی اور بولا۔ ”تم میں سے کون اس معزز سیاست

ہارون نے اپنی سی بہت کوشش کی کہ کسی طرح بہلوں پر گرفت کی جاسکے۔ لیکن اس کی حاضر دعائی، اس کی پڑھکمت گفتگو اور عوام کے ساتھ اس کی قربت نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ وہ اپنے جاسوسوں کو اس کے پیچے لگائے رکھتا تاکہ اس کی سرگرمیوں سے باخبر رہے۔ کسی وقت سختی سے اس کی باز پُرس کرتا۔ لیکن اکثر مشکل موقعوں پر بہلوں ہی کام آتا۔

ایک بار ایک سیاست بغداد میں آیا۔ اس نے گھاث گھاث کا پانی پیا تھا۔ ملکوں ملکوں گھومنا تھا۔ جب وہ ہارون کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے خلیفہ کے وزیروں اور دانش وردوں سے کچھ سوالات کیے لیکن کوئی بھی ان کا جواب نہ دے سکا۔ ہارون اپنے مُقرّبین کی نالائقی پر بہت شرمندہ ہوا۔ سیاست رخصت ہوا تو وہ اپنے وزیروں اور مُشیروں پر برس پڑا۔ ”تم سب لوگ میرے لیے باعثِ ننگ و غار ہو۔ آج اس سیاست نے تمھیں کیسا عاجز کیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تم اس کے مقابلے میں طفیل مکتب ہو۔ درباریوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ ان کے پاس اپنی

اور ایک حصہ پر چھڑی رکھ کر کھٹکھٹائی۔ سیاح نے قدر سے حرمت سے اس کی جانب دیکھا اور زمین پر اپنا ہاتھ الٹی طرف رکھ کر انگلیاں آسمان کی طرف اٹھادیں۔ بہلوں نے اٹھ کر اپنا ہاتھ زمین پر اس طرح رکھا کہ اس کے ہاتھ کی پیشتوں اور پتھی۔ سیاح اپنی نشست پر آبیٹھا اور توصیفی لہجے میں بولا:

”مرحباً—! آفریں۔—!!! عالی جاہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کے یہاں ایسا دانشمند اور عالم موجود ہے جس پر فخر کیا جاسکتا ہے۔— ایسے شخص کی قدر کی جانی چاہیے۔“

”کیا بہلوں نے تمہارے سب سوالوں کے جوابات ٹھیک ٹھیک دیے ہیں؟“— ہارون نے پوچھا۔

”یقیناً۔— اس نے کسی بہت عظیم درسگاہ سے تعلیم حاصل کی ہے جو اس کے پاس اتنا علم ہے کہ یہ میرے اشارے فوراً سمجھ گیا ہے۔“— سیاح بولا۔

بہلوں مسکرا یا۔— اس عظیم درسگاہ کا نام مت پوچھنا کیونکہ اسے سب جانتے ہیں۔“

بہلوں کا اشارہ سب سمجھ رہے تھے۔ لیکن سیاح کچھ نہیں سمجھا اور چاہتا تھا کہ کوئی سوال کرے کہ ہارون نے فوراً پوچھ یا۔— اگر تم ان اشاروں کو ذرا کھوں مکر بیان کرو تو اہل دربار بھی مخطوط ہو سکیں گے اور سیکھ بھی لیں گے۔“

کے سوالوں کا جواب دے گا؟“—؟
اہل دربار نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرا کی طرف دیکھا کہ بہلوں کا نام کیس طرح لیں۔ کہیں اس کا نام ہارون کو ناگوار نہ گزرے۔ کہ اسی وقت بہلوں کی آواز گونجی۔ یہ دیوانہ حاضر ہے۔— اہل دربار کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔— وہ اپنی لاٹھی پٹکتا۔ گڈڑی شانے پر ڈالے داخل دربار ہووا اور سیاح کے قریب جا بیٹھا۔

ہارون کچھ ہچکچایا۔ لیکن پہلو میں بیٹھے ہوتے وزیر نے اس کے کان میں کچھ کہہ دیا۔ جس سے اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نظر آئی۔— سیاح نے بہلوں کی ہمیت کذلیٰ کی طرف دیکھا اور قدر سے تعجب سے بولا۔— ”کیا میں آپ سے سوالات کروں؟“—؟

”بُسْر وَ حَشْمٌ“— !!! بہلوں نے مُسْعِدِی سے جواب دیا۔ وہ سیاح اٹھا اور اپنی چھڑی سے زمین پر ایک دارہ کھینچ دیا۔

بہلوں نے فوراً ہی اٹھ کر اپنے عصا سے اس دائرے کے درمیان میں ایک لکیر کھینچ کر اسے دو حصوں میں بانٹ دیا۔ سیاح کے چہرے پر مسکرا ہٹ آئی اور اس نے ایک اور دارہ کھینچ دیا۔ بہلوں نے اس مرتبہ دائرے کو چار حصوں میں بانٹا

شوخی میں چھپی ہوئی دانشمندی اسے صاف بچالے جاتی ہے۔
کی تمام زندگی اسی آنکھ پھولی میں گزری ہے۔ ہارون کو شش
کرتا رہا کہ اُسے کسی طرح پھانس لے یا اس کا قصہ ہی تمام
کر دے۔

مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے ہے۔ بہلوں اپنی دیوانگی
کا باداہ اور ٹھیک اس کے اور اس کے وزیروں کے سامنے کھڑا
انھیں آئینہ دکھاتا رہا۔ وہ اپنے پاگل پن کی آڑ میں نہ صرف
اپنی جان بچاتا رہا۔ بلکہ انھیں علم و حکمت کی تعلیم بھی دیتا
رہا اور اپنے چخنون کا سہارا لے کر عوام کی مشکلیں حل کرتا رہا۔
ایک مرتبہ خراسان کا ایک مشہور فقیہ بغداد آیا۔ ہارون
کو بھی اس سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ اس نے اسے دربار میں
بُلایا۔ گرمحوشی سے اس کا خیر مقدم کیا اور بڑی قدر و مثہلَت
کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ فقیہ اس عزّتِ افرانی پر گھوٹائیں
سمارہ تھا اور ہارون پر اپنے علم کی دھاک بٹھانے کی کوشش
کر رہا تھا کہ اچانک بہلوں کہیں سے پھر ترا پھرتا دربار میں آنکھلا۔
اس نے سلام کیا۔ ہارون نے اسے بٹھینے کے لیے کہا۔
فقیہ نے اس کا معمولی لباس، بوسیدہ گُدڑی اور دھولی میں آٹی
ہوئی جو تیار دیکھیں اور قدرے حیرت سے بولا۔ ”آپ بہت
ہمیان اور فراخ دل ہیں کہ معمولی لوگوں کو بھی اپنے دربار میں جگہ

سیاح بولا۔ ”آپ نے دیکھا کہ میں نے زمین پر دارہ
کھینچا تھا۔ میرا مقصد زمین کا گڑہ دکھانا تھا۔ آپ کا عالم
نوراً سمجھ گیا اور اس نے دائرے کے دو برابر حصے کر کے مجھ پر
ظاہر کر دیا کہ وہ زمین کے گول ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اس
کے آئسرا رو رموز سے بھی واقف ہے۔ اس نے اس لکیر سے خط
استوام کو دکھایا جس سے زمین شمالی اور جنوبی گردے میں بٹ گئی۔
پھر آپ نے دیکھا کہ میں نے ایک اور دارہ کھینچا۔ آپ
کے عالم نے اس کے چار حصے کر کے مجھے سمجھا دیا کہ زمین میں تین
حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔ اور جب میں نے اپنے یاد
کی انگلیوں سے زمین پر اُگنے والی نباتات کی طرف اشارہ کیا تو
اس نے بارش اور سورج کی نشاندہی کی جو نباتات کی بالی دیگی
اور نشوونما کا ذریعہ ہے۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آپ کو
ایسے دانشمند پر فخر کرنا چاہیے۔ ”

۱۲

ہارون کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بہلوں ایک بے ضرر او مُفید
انسان ہے۔ اس کی شلگفتہ باتوں کی حکمت تَقْنِن طبع کا ذریعہ
بھی بنتی تھی۔ وہ بغداد شہر کا ایک پسندیدہ اور ہر دلعزیز کردار
تھا۔ جب بھی ہارون اس کے ساتھ سختی کرنا چاہتا۔ اس کی

دیتے ہیں۔

”تو پھر میری ایک شرط ہوگی۔ فقیہہ بولا۔

”اجازت ہے۔ تم جیسی چاہو شرائط طے کرو۔“ ہارون
نے اجازت دی۔

”فقیہہ بولا۔“ میری شرط یہ ہے کہ میں بہلوں سے ایک
معتمہ پوچھوں گا۔ اگر اس نے درست جواب دے دیا۔ تو اسے
ایک ہزار اشرفیاں دوں گا اور اگر یہ ناکام رہا۔ تو مجھے ایک
ہزار اشرفیاں دینے کا پابند ہو گا۔

بہلوں مسکرا یا۔ ”ہم فقیروں کے پاس مالِ دنیا کہاں؟
ہاں میں خود کو آپ کے سپرد کر سکتا ہوں کہ آپ ایک غلام
کی طرح مجھ سے کام لیں اور اپنی ایک ہزار اشرفی پوری کر لیں
اور اگر میں ایک ہزار اشرفی جیت گیا۔ تو وہ تو ناداروں اور
محتجاجوں کا حصہ ہے ہی۔ کہ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ فرماتے
ہیں کہ ”جہاں بھی دولت ضرورت سے زیادہ ہے۔ وہاں لقیناً
کسی حق دار کا حق ضائع ہو رہا ہے۔“

”مجھے منظور ہے۔ اور کیا تم تیار ہو کہ میرا معمّہ حل کرو“
فقیہہ نے کہا۔

”بُسْر وَ حَيْثُم“۔ !!! بہلوں نے جواب دیا۔

”عالیٰ جاہ۔ آپ کی بھی اجازت ہے۔“ ؟ فقیہہ نے
ہارون سے پوچھا۔

بہلوں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنا عصا کھٹکھٹاتا اُس کے قریب
پہنچا اور بولا۔ ”قبلہ۔ گستانی معاف آپ اپنے ناقص علم پر کیوں
اس قدر مغور ہیں۔ آپ میری ظاہری حالت کا خیال نہ کیجیے اور
میرے ساتھ علمی مباحثہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیے تاکہ آپ کو پتہ
چل جائے کہ آپ تو کچھ بھی نہیں جانتے۔“

فقیہہ نے ایک نیگاہ غلط انداز اس پر ڈالی۔ ”میں نے
سُنا ہے کہ تو پاگل ہے اور میں پاگلوں سے مباحثہ نہیں کیا کرتا۔“
میں نے کب کہا کہ میں پاگل نہیں ہوں۔ میں تو پانچ پاگل
پن کا خود اقرار کرتا ہوں۔ مگر آپ ہیں کہ آپ کو اپنی کم علمی کا
کچھ پتہ ہی نہیں۔“ بہلوں نے مزے سے کہا۔

ہارون نے قہر آکو نیگاہ ہوں سے بہلوں کی طرف دیکھا۔
”بہلوں خاموش رہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ خراسان کے نامور
فقیہہ ہیں۔“

”اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ یہ مجھ سے علمی مباحثہ کریں“
بہلوں نے اطمینان سے کہا۔

ہارون بھی علمی مباحثوں اور مُناظروں کا شائق تھا۔ وہ
اس فقیہہ سے بولا۔ ”کیا مُضائقہ ہے۔“ تمہیں بہلوں کی دعوت
قبول کر لینی چاہیے۔“

روزہ باطل ہو گئے۔ جو شوہر کو مُردہ سمجھ کر اس کے لیے پڑھی اور رکھے جا رہے تھے۔

”مَرَحْبَأ—! مَرَحْبَأ—!! بہت خوب۔ بُہلُول بعض اوقات تو تمہاری دیوانگی فرزانوں کو بھی مات دیتی ہے۔“ ہارون نے ستائش کی۔

باقی وزیر اور امیر بھی دادِ تحسین دینے لگے۔ شوکچھ کم ہوا۔ تو بُہلُول کہنے لگا۔ ”کیا عالی جاہ کی اجازت ہے کہ میں بھی حضرت فقیہ سے ایک سوال کروں۔“

”اجازت ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”کیا آپ تیار ہیں؟“ ؟ بُہلُول نے پوچھا۔

”ضرور پوچھو۔“! فقیہ نے نخوت سے کہا۔

”فرض کریں کہ ہمارے پاس ایک مٹکا شیرہ اور ایک مٹکا سرکہ موجود ہے۔ ہم اس سے سکنجینیں تیار کرنے کے لیے ایک پیالہ سرکہ اور ایک پیالہ شیرہ مٹکوں میں سے نکالتے ہیں اور دونوں کو کسی برتن میں ملا دیتے ہیں۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ اس میں تو ایک چوہا مرا پڑتا ہے۔ کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ وہ مرا ہوا چوہا سرکے کے مٹکے میں تھا یا شیرے کے مٹکے میں؟“ ؟

ہارون محفوظ ہوا۔ اہل دربار بھی مسکراتے۔ سب

”اجازت ہے۔“ ہارون نے شامانہ تمکنست سے کہا۔ فقیہ نے اپنا معمہ پیش کیا۔ ”ایک گھر میں ایک عورت اپنے شرعی شوہر کے ساتھ بیٹھی ہے۔ اسی گھر میں ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا روزے سے ہے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوتی ہے اور ایک ایسا شخص اندر داخل ہوا جس کے آجائے سے شوہر اور بیوی ایک دوسرے پر حرام ہو گئے۔ نماز پڑھنے والے کی نماز باطل ہو گئی اور روزہ دار کا روزہ بھی باطل ہو گیا۔ کیا تم بتاسکتے ہو کہ باہر سے آنے والا شخص کون ہے؟“ ؟

دربار میں سننا چاہیا۔ لوگ ایک دوسرے کامنہ ملنے لگے۔ بُہلُول نے برجستہ کہا۔ ”گھر میں داخل ہونے والا شخص اس عورت کا پہلا شوہر ہے۔ جو سفر پر گیا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں یہ خبر ملی تھی کہ دورانِ سفر انتقال کر گیا ہے۔ اس عورت نے حاکمِ شرع کی اجازت سے اسی مرد سے عقد کر لایا تھا جو اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے دو شخص کو اجرت دی تھی کہ وہ مرحوم شوہر کی قضا نمازیں ادا کریں اور روزے رکھیں۔ اسی اثناء میں پہلا شوہر سفر سے واپس آگیا۔ کیونکہ اس کی موت کی خبر غلط تھی۔ چنانچہ اس کے آتے ہی دوسرा شوہر اس عورت پر حرام ہو گیا۔ ان دونوں اشخاص کی نماز اور

پیٹ میں سرکہ ہوا۔ تو سمجھیں کہ وہ سرکے کے مٹکے میں تھا۔
اگر شیرہ ہوا۔ تو پھر اس نے شیرے میں ڈبکی لگا کر جان دی
ہے۔ لہذا جو کچھ بھی اس کے پیٹ میں ہوا۔ اس شے کے مٹکے
کو ضائع کر دینا چاہیے۔"

اہل دربار عش عیش کراٹھے۔ ہارون بہت محظوظ ہوا۔
اس نے بہلوں کو آفرین کہی۔ فقیہ نے سر جھکایا اور ایک ہزار
اشرفی اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ بہلوں نے تمام اشرفیاں
سیٹ کر اپنی جھولی میں ڈالیں اور محل سے باہر نکلتے ہیں اُنھیں
ضورت مندوں میں بانٹنے لگا۔ جب وہ اپنے بسیرے پر پہنچا
تو اس کی جھولی خالی تھی۔

چند دن نہیں گزرے تھے کہ ہارون نے بہلوں کو طلب کیا۔
وہ اس کے محل میں پہنچا۔ تو دیکھا کہ وہ شراب کے نشے میں
مخمور دجلہ کے کنارے اپنے شاندار محل کے جھروکے میں بدیٹھا شور
مچاتی ہوں کا تماشا دیکھنے میں مخوب ہے۔ بہلوں کو دیکھتے ہی
وہ نشے کی ترنگ میں بولا۔ "بہلوں۔ اس روز تو تو نے اس
بچارے فقیہ کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ اتفاقاً تیرا داؤ لگ گیا تھا
اور وہ احمد بھی ترا گاؤ دی نکلا۔ مگر آج میں تجھے عاجز کر کے
رہوں گا۔ اور اس جھروکے میں سے تجھے دجلہ میں پھکوا دوں گا

کی نگاہیں فقیہ پر لگی ہوئی تھیں۔ کہ وہ اس معے کو کس طرح
حل کرتا ہے۔ وہ گہری سوچ میں مستقر ہو گیا اور بہت
دیر تک ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔

ہارون اتنا انتظار نہ کر سکا اور بولا۔ "بہلوں نے تمہارا
معتمد حل کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔ تھیں بھی اس کے
سوال کا جواب اسی طرح دینا چاہیے۔"

فقیہ نادم سا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں ٹھچک گئیں۔ اسے
اپنی کم علمی کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔ "عالی جاہ! میں یہ معتمد حل نہیں کر سکتا۔" اس کی
پیشانی عرق آکو دھنی۔

ہارون نے بہلوں کی طرف دیکھا۔ "بہلوں۔ بہتر نہیں ہے
کہ تم خود اس معتمد کو حل کر دو۔"

بہلوں مسکرا یا۔ "کیا حضرت فقیہ اب بھی اپنی ناجھی
کے قابل ہوتے ہیں یا نہیں؟"

فقیہ بولا۔ "بہلوں تم نے مجھے احساس دلادیا ہے کہ علم
کی کوئی حد نہیں۔ کسی کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اسے کم تر
خیال نہیں کرنا چاہیے۔"

"تو سینے جناب کرہیں چاہیے کہ اس چوبے کو سکنجیں سے نکال کر
اچھی طرح دھولیں۔ پھر اس کا پیٹ چاک کریں۔ اگر اس کے

ایک بکری، ایک بھیریا اور گھاس کا گٹھاہے اور وہ چاہتا ہے کہ دریا پار کرے۔ تو اُسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ نہ بکری گھاس کو کھائے اور نہ بھیریا بکری کو۔

بُہلُول نے ایک لمحہ نہیں سوچا اور برجستہ کہا۔ ”اس شخص کو چاہیے کہ بھیریے اور گھاس کو کنارے پر چھوڑے اور بکری کو دریا کے پار لے جاتے۔ پھر وہ واپس آگر گھاس لے جائے اور گھاس کو تو اس کنارے پر چھوڑ دے۔ لیکن بکری کو واپس لے آتے۔ اب بکری کو تو اس کنارے پر چھوڑ دے۔ لیکن بھیریے کو پار لے جائے۔ واپس آگر وہ بکری کو لے جاسکتا ہے۔ اس طرح نہ بکری گھاس کھائے گی۔ نہ بھیریا بکری کو کھائے گا۔“

ہارون حیران ہوا۔ ”بہت خوب۔!!“ بُہلُول آج تو ستارے تھمارے حق میں تھے۔

”ستارے ناحق کچھ بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ تحقیق کو پہچانتے ہیں۔ اب عالی جاہ بھی میرے حق کو پہچانیں اور اپنا وعدہ پورا کریں۔“ بُہلُول نے جڑات سے کہا۔

”درست۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ تم مُنشی کو ان قیدیوں کے نام لکھوادو۔ وہ داروغہ زندان کو دے دے گا، تاکہ ان قیدیوں کو رپا کر دے۔“ ہارون نے فراخدلی سے کہا۔

بُہلُول نے ان اشخاص کے نام لکھوادیے اور چلا آیا۔

اور تو اسی طرح دجلہ کی موجودوں میں غوطے کھائے گا جس طرح تیرے مُعَمَّہ میں چوہا شیرے اور سر کے کے مشکلے میں ڈبکیاں لگاتا رہا تھا۔“

”اور اگر میں نے مُعَمَّہ بُو جھ لیا تو۔“ بُہلُول نے کہا۔

”تو پھر ایک ہزار اشرفیاں انعام میں ملیں گی۔“ اس نے بڑی شان سے کہا۔

”جنابِ عالی۔ مجھے اشرفیوں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ میں میری ایک اور شرط ہے اگر وہ منظور ہو۔ تو کوئی بات بھی ہے۔“ بُہلُول بولا۔

”بیان کرو۔“ ہارون نے حکم دیا۔

”اگر میں نے مُعَمَّہ کا صحیح جواب دیا۔ تو اس کے بعد میں سو قیدیوں کو رہا کرنا ہو گا۔ مگر وہ جن کے نام میں بتاؤں گا۔“ بُہلُول نے اپنی شرط پیش کی۔

ہارون ہنسا۔ ”یہ بات تو بعد کی ہے۔ مگر مجھے منظور ہے۔ پہلے تم مُعَمَّہ تو بُو جھ لو۔ دیکھو۔ تمھیں غوطے دلانے کے لیے دجلہ کی موجودیں کتنی بے قرار ہیں۔“

”موجودوں کی بے قراری کی زبان تو وہی سمجھ سکتے ہیں۔ جو دریاؤں کا رُخ موڑ دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ اپنا مُعَمَّہ پُوچھیں۔“ بُہلُول نے کڑے لہجے میں کہا۔

ہارون گویا ہوا۔ ”تو سنو۔ اگر کسی شخص کے پاس

ہارون کا نشہ اُترا۔۔۔ اس دبوانے کے ساتھ بیبی ہونا چاہیے۔۔۔

۱۳

ایک روز بُہلُول اپنے فقر کی شان میں مست قدم اٹھاتا۔۔۔
ہارون کے محل میں پہنچا اور بے باکی سے آگے بڑھتا۔۔۔ ہارون
کے برابر جا بیٹھا۔۔۔ ہارون کے نجٹ اور عُرُور کو اس کی یہ ادا
پسند نہیں آئی۔۔۔ اس نے سوچا کہ کسی طرح اس کو زنج کرے۔۔۔
اس لیے اس سے مخاطب ہو کر بولا۔۔۔

”کیوں بُہلُول۔۔۔ میرے مُنتَعَتے کا جواب دو گے۔۔۔“

”ضرور دوں گا۔۔۔ بشرطیکہ آپ اپنے قول پر پورے اتریں
اور پہلے کی طرح وعدہ خلافی نہ کریں۔۔۔“ بُہلُول نے واضح کیا۔۔۔
”اور تم بھی سن رکھو کہ اگر تم نے میرے منعے کو فوراً حل کر لیا
تو تم تھارا انعام ایک ہزار اشرفی ہو گا۔۔۔ اور اگر تم جواب نہ دے
سکے تو تم تھاری ڈارٹھی کی خیر نہیں۔۔۔ اسے منڈولنے اور گردے
کی سواری کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔“

”میں نے اشرفیاں کیا کرنی ہیں۔۔۔ میری شرط تو کچھ اور
ہے۔۔۔ بُہلُول بولا۔۔۔“

”شرط بیان کی جاتے۔۔۔“ ہارون نے کہا۔۔۔
”میری شرط یہ ہے کہ اگر میں نے مُنتَعَتے کو حل کر لیا۔۔۔“

ہارون کا نشہ اُترا۔۔۔ تو اس کے مُقرَب نے اسے وہ فہرست
دکھائی۔۔۔ جو بُہلُول نے لکھوائی تھی اور بولا۔۔۔
”حضور نے بُہلُول کے ساتھ کچھ زیادہ ہی فیاضی کا بر تاؤ
کیا ہے۔۔۔ اگر آپ اس فہرست کو ایک مرتبہ مُلاحظہ فرمائیں تو
بہت مناسب ہو گا۔۔۔“

ہارون نے فہرست دکھی۔۔۔ تو ہوش میں آگیا۔۔۔ ”او بُہلُول
تو کیسا غضب کا ستریں اور فسادی ہے۔۔۔ یہ سب تو ان لوگوں
کے نام ہیں۔۔۔ جنہیں بغاوت کے جرم میں قید کیا گیا ہے۔۔۔ یہ
لوگ مُوسیٰ بن جعفرؑ کے دوستدار ہیں اور خلافت پاشمیوں کا حق
سمجھتے ہیں۔۔۔“

”عالیٰ جاہ۔۔۔ میں بھی اس فہرست کو دیکھ کر کھٹک گیا
تھا۔۔۔ اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ حضور اس پر ایک
نگاہ ڈال لیں۔۔۔ یہ سب کے سب تو باغی ہیں۔۔۔“ مُقرَب نے کہا۔۔۔
”مگر ہم وعدہ کر چکے ہیں۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دیوانہ ہمیں
بدنام کرے۔۔۔“ ہارون نے فکر مندی سے کہا۔۔۔

”اس میں پریشان ہونے کی صورت نہیں۔۔۔ حسنور دس
آدمیوں کی رہائی کا حکم صادر فرمائیں۔۔۔ جن کا جرم ذرا کم سنگین
ہے۔۔۔ صفر ہم ساتھ خود بڑھائیں گے۔۔۔“ مُقرَب نے ہوشیاری
سے کہا۔۔۔

بُہلُوں نے حسبِ عادت فوراً جواب دیا۔ ”یہ درخت
ہمیں، دن اور رات کا ہے۔ اس لیے کہ سال میں بارہ ہمیں
ہوتے ہیں۔ ہر ہمیں میں تیس دن ہوتے ہیں۔ جو آدھے دن
ہیں اور آدھے رات ہیں۔“

ہارون کو یہ ساختہ دادِ دینی پڑی۔ اہلِ دربار بھی
اس کی تعریف کرنے لگے۔

تو عالیٰ جاہ مکھیوں کو حکم دے دیں کہ وہ مجھے نہ ستایا کریں۔
مکھیاں مجھے بہت تنگ کرتی ہیں۔“ بُہلُوں نے بڑی سنجیدگی
سے درخواست کی۔

اہلِ دربار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ لیکن وہ ہارون
کے خوف سے ضبط کر گئے۔

ہارون بغلیں جھانکنے لگا اور اسے کہنا پڑا۔ ”کسی کسی
وقت تو تمہاری عقل بالکل ہی خبط ہو جاتی ہے۔ مکھیاں تو
میری مطیع نہیں ہیں۔ جو ان پر حکم چلاوں۔“

”افسوس کہ ہمارا بادشاہ مکھیوں کے مقابلے میں بھی عاجز
ہے۔ تو اس کے اقتدار کا کیا فائدہ؟“ بُہلُوں نے مزاہیہ لے
لیں کہا۔

درباریوں کی آنکھوں سے حیرت اور ہنسی جھانکنے لگی۔
وہ نظروں ہی نظروں میں بُہلُوں کی اس جرأت کی داد دینے لگے
ہارون بھی شرمندہ سا ہو گیا اور اس کے جواب میں کچھ بھی نہیں
کہہ سکا۔ تو بُہلُوں نے اس کی خفت مٹانے کو کہا۔ ”اچھا۔“

اب میں کوئی شرط نہیں رکھتا اور تمہارے مُعنتے کا جواب دیتا ہوں۔“
ہارون نے پوچھا۔ ”وہ کون سا درخت ہے۔ جس کی غر

ایک سال ہے۔ اس میں بارہ شاخیں ہیں۔ ہر شاخ پر تیس تیس
پتے لگے ہیں اور ان پتوں کا ایک رُخ روشن ہے اور دوسرا تاریک؟“

بُہلُوں سرِ راہ کھڑا تھا۔ دیکھا کہ ہارون کی سواری آرہی
ہے۔ اس نے مُمنہ کے گرد دونوں ہاتھ رکھے اور تزور سے پکارا
”ہارون! ہارون! ہارون!“

ہارون اس آواز پر چونکا۔ اسے غصہ بھی آیا۔ اس نے
اپنے خدام سے پوچھا۔ ”یہ کون گستاخ ہے۔ جو مجھے اس طرح
پکار رہا ہے۔“

”حضور۔ یہ دیوانہ بُہلُوں ہے۔ معلوم ہوتا ہے آج
اس کا دفعاع بالکل ہی کام نہیں کر رہا۔“ کسی غلام نے بُہلُوں
کو بادشاہ کے عتاب سے بچانے کی کوشش کی۔

ہارون نے سواری کھپرانے کو کہا اور بولا۔ ”بُلاؤ اس کو۔“
بُہلُوں قریب آیا تو غصے سے بولا۔ ”تو جانتا ہے کہ میں

کون ہوں؟

"بالکل جانتا ہوں" — بہلول نے سر بلایا۔ "آپ ایسے انسان ہیں کہ اگر مشرق میں کسی مکرور پر ظلم ہوا — تو باز پُرس آپ سے ہوگی" —

ہارون لرز گیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔ اس کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ نرمی سے بولا۔ — بہلول — تو نے اسی بات کہی ہے۔ جو میرے دل پر جا کر لگی ہے۔ — تیری کوئی حاجت ہو تو بیان کر۔"

"میری حاجت یہ ہے کہ آپ میرے گناہ معاف کر کے مجھے جنت میں داخل کر دیں" — بہلول نے کمال سنجیدگی سے کہا۔ گرد و پیش کھڑے لوگ مسکرانے لگے۔ — ہارون نے اعتراف کیا۔ — بہلول — تم نے ایسی بات کہی ہے جو میرے لیے نہیں۔ — ہاں میں تمہارے قرضے چکا سکتا ہوں" —

"نہیں۔ — آپ یہ بھی نہیں کر سکتے" — بہلول نے زور دے کر کہا۔

"کیوں؟" — ہارون نے تُرشی سے سوال کیا۔ "ایک قرضہ دوسرے قرضے سے ادا نہیں ہوسکتا۔ آپ تو خود عوام کے قرض دار ہیں۔ — آپ ان کا قرض واپس کریں۔ — یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کا مال مجھے دے دالیں" ۱۱۰

بہلول کے انداز میں سچ تھا۔

ہارون مُضطرب ہوا اور بات بدلنے کو بولا۔ "تو پھر ٹھیک ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تھیس کچھ جائز دردے دی جائے تاکہ تھاری گزر بس رہولت سے ہو۔"

بہلول ہنسا۔ "سب کا رازق خُدا ہے۔ ہم سب بندے اسی سے وظیفہ پاتے ہیں۔ — ایسا تو محکن نہیں کہ وہ بادشاہ کو تو فراخی سے رزق عطا کرے اور اس دیوانے کو بھول جائے۔"

ہارون لا جواب سا ہو گیا اور بہلول سے بولا۔ "میں امین اور ما مون کے مکتب جا رہا ہوں۔ ذرا ان کے استاد سے ان کی تعلیم کی بابت معلوم کروں گا۔ — آؤ۔ — تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

بہلول راضی ہو گیا اور سواری مکتب پہنچی۔ — استاد دوڑا ہوا آیا اور ہارون کو سلام کیا۔ — "زہے نصیب کر خلیفہ اس ناچیز کے مکتب میں تشریف لاتے ہیں۔"

"ہم امین اور ما مون کی تعلیم کے بارے میں معلوم کرنے آتے ہیں کہ دونوں کیسے طالب علم ہیں" — ہارون نے کہا۔ "جان کی افان پاؤں تو کچھ عرض کروں" — استاد بولا۔ "ہاں تھیں امان ہے۔ — ہمیں دونوں کی تعلیمی کیفیت

پارون نے انھیں بیٹھنے کی اجازت دی۔ تو دونوں اپنی اپنی جگہ جا بیٹھئے۔ پارون دونوں کا بغور مُشاہدہ کر رہا تھا۔
مامون بیٹھتے ہی کچھ مُضطرب سا ہوا۔ اس نے کچھ پیشان سا ہو کر چھت کی طرف دیکھا۔ پھر دائیں بائیں دیکھا۔ اور کئی بار پہلو بدلا۔ اور بے چین سانظر آنے لگا۔ اُستاد نے شفقت سے پوچھا۔

”کیوں مامون۔ خیریت تو ہے۔ میں تمھیں کچھ پیشان سا دیکھ رہا ہوں۔“

”اُستاد محترم۔ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ پر کچھ تبدیلی سی محسوس کر رہا ہوں۔“ مامون نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔
”کیسی تبدیلی؟“ ہے، اُستاد نے پوچھا۔

”ایسا محسوس ہوتا ہے اُستاد محترم۔ جیسے میرے بیٹھنے کی جگہ ایک کاغذ بھر اونچی ہو گئی ہے۔ یا چھت کا غذ بھر اونچی ہو گئی ہے۔“ مامون بولا۔

”ایمین۔! کیا تمھیں بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ جیسے تمھارا بھائی کہہ ہے۔“ ہے، اُستاد نے امین کو مخاطب کیا۔
”نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ امین نے جواب دیا۔
اُستاد نے معنی خیز نگاہوں سے پارون کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”عالیٰ جاہ پسند فرمائیں۔ تو دوسرے کمرے میں تشریف

صحیح صحیح بتاؤ۔“ پارون بولا۔
”عالیٰ جاہ۔ آپ کا بیٹا امین۔ عورتوں کی سردار ملکہ زبیدہ جیسی قابل اور ذہین خاتون کا بیٹا ہے۔ لیکن گنڈ ذہن ہے۔ مگر اس کے برعکس آپ کا بیٹا مامون بہت ذہن دانشمند اور باوقار ہے۔“

”یہ تم نے عجیب بات کہی ہے۔ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔“ پارون نے حیرت سے کہا۔

”میں اس کا ثبوت دھیا کر سکتا ہوں۔“ اُستاد نے جواب دیا۔

”یقیناً۔ تمھیں شہزادوں کے بارے میں اتنی بڑی بات بلاشبُوت نہیں کہنی چاہیے۔“ پارون نے ناگواری سے کہا۔

”میں نے یہ بات تجربے کے بعد کہی ہے۔“ اُستاد بولا۔ اس وقت امین اور مامون تھوڑی تفریح لینے باہر گئے ہیں۔ میں یہ کاغذ مامون کے بیٹھنے کی جگہ فرش کے نیچے رکھتا ہوں اور امین کے بیٹھنے کی جگہ کے نیچے یہ اینٹ رکھ رہا ہوں۔ جب وہ آجائیں۔ تو آپ ملاحظہ فرمائیے گا کہ میری رائے کس حد تک درست ہے۔“

تھوڑی ہی دیر میں امین اور مامون واپس آگئے۔ پارون کو دیکھ کر دونوں حیران ہوئے اور اسے آداب کیا۔

”اس کی مثال درختوں اور جانوروں میں نظر آتی ہے۔“

مثلاً ”اگر پھل کے درخت میں دوسرے پھل دار درخت کا پیوند لگایا جائے۔ تو نہایت لذیذ اور عمده پھل پیدا ہوتے ہیں۔“ اسی طرح گدھے اور گھوڑے کے ملاپ سے نجٹر پیدا ہوتا ہے جس کی ہوشیاری، طاقت اور پھرتنی کا جواب نہیں۔ اب عالی جاہ سمجھ سکتے ہیں کہ — ایں میں بودھانست کی کمی محسوس ہوتی ہے اس کا سبب اس کی والدہ اور آپ کی رشتہ داری ہے — جب کہ مامون کی ماں مختلف نسل اور قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ خون کے لحاظ سے آپ میں اور اس میں جو فرق ہے وہی سبب مامون کی ذہانت اور دانشمندی کا بھی ہے۔“

پارون اس کی بات پر غور کرتا رہا۔ اُستاد بھی قاتل نظر آتا تھا۔ لیکن مُمّنہ سے کچھ نہیں کہہ ریا تھا۔ کہ میادا خلیفہ اسے گستاخی تصور کرے۔ پارون نے بہلوں کی طرف دیکھا اور حسب عادت اس کے کمال کو گم تر کرنے کے لیے بولا۔ ”ہو نا تم دیوانے۔ پاگل بچارا ایسی بالتوں کے علاوہ اور کچھی کیا سکتا ہے۔“

ایک روز بہلوں دربار میں آیا۔ تو دیکھا علمِ جوام پر گفتگو

رکھیں۔“

پارون نے اجازت دی اور اُستاد کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا آیا۔ بہلوں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اُستاد نے مطمئن ہبھے میں کہا۔ ”احمد شد۔“ کہ میں نے آپ کے سامنے اپنی رائے کا ثبوت بھی پیش کر دیا۔“

”حیرت ہے۔ حیرت ہے۔ امین کی ماں عرب کی ذہین عورتوں میں سے ہے۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ لیکن اس کا بیٹا۔“ پارون نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا سبب ہے۔“

”بہلوں آگے بڑھا۔“ اس کا سبب مجھے معلوم ہے۔ اگر عالی جاہ کو ناگوار نہ ہو۔ تو بیان کروں۔“

”بیان کرو۔ میں سخت ترین الجھن میں ہوں۔“ پارون سے کہا۔

”بہلوں بولا۔“ اولاد کی دانشمندی اور ذہانت کے اسہا دو ہیں۔ اول یہ کہ عورت اور مرد کے درمیان رغبت اور فطری خواہش ہو۔ تو ان کی اولاد ذہین، ہوشیار اور عقائد ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ مرد اور عورت مختلف خون اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ تو ان کی اولاد میں عقل و دانش کی فراوانی ہوگی۔“

”کوئی دلیل دو۔“ پارون نے غور کرتے ہوتے کہا۔

کی جائے گی۔ اور اس کم بخت کا سر کاٹ کر بغداد کے دروازے پر آؤزیں کیا جائے گا تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔۔۔ بہلول بھی دربار میں موجود تھا۔ وہ پس ساختہ ہنس دیا ہارون نے خشمگین نظروں سے بہلول کی طرف دیکھا۔۔۔ بہلول اس بے موقع ہنسی کا سبب کیا ہے۔؟ کیا تم اس گستاخی کی وجہ بیان کر سکتے ہو۔؟۔۔۔ بہلول کی ہنسی نہیں رکی۔۔۔ ”حضور مجھے ایک قصہ یاد آگیا ہے۔۔۔

”کون سا قصہ۔؟۔۔۔ ہارون نے استفسار کیا۔۔۔ بہلول نے ہنسی روک کر کہا۔۔۔ اس دھوکے باز سیاح کا قصہ بالکل ایسا ہی ہے۔۔۔ جیسا مرنغ، بڑھیا اور لومڑی کا قصہ ہے۔۔۔

”بیان کرو۔۔۔ ہارون نے حکم سے کہا۔۔۔ بہلول بولا۔۔۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک جنگلی بلی نے ایک بڑھیا کا پالتو مرنغ جھپٹ لیا۔۔۔ بڑھیا اس کے پیچے دھائی دیتی ہوئی دوڑی۔۔۔ ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ پکڑو۔۔۔ اس چوٹی بلی کو پکڑو۔۔۔ ظالم میرا دومن کا مرن غالے کر بھاگی جاتی ہے۔۔۔ ارے کوئی میری مدد کرو۔۔۔ اس بلی کو پکڑو۔۔۔ ہاتے میرانزاو کا پلا۔۔۔ مرنغ۔۔۔ ارے یہ پورے دومن کا ہے۔۔۔!

”لَعُوذُ بِاللَّهِ عَالِيٌّ جَاهٌ— یہ حیرت تو ایسا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔۔۔ میں نے تو اس لیے یہ کہا ہے کہ کہیں اہل دربار میں سے کوئی اسے جھوٹ یا غلط نہ سمجھے۔۔۔ اس نے گھبرا کر جواب دیا۔۔۔

”اہل دربار میں ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں جان بچانے کا حکم دیا ہے۔۔۔ بہلول نے چکے سے کہا۔۔۔

” بتاؤ اس پر کتنا خرچ اٹھے گا۔۔۔ ہارون نے استفسار کیا۔۔۔

” عالی جاه۔۔۔ اس کے لیے چھاس ہزار دینار درکار ہوں گے۔۔۔ سیاح نے بتایا۔۔۔

” رقم دے دی جائے۔۔۔ ہارون نے خزانجی کو حکم دیا۔۔۔ خزانجی نے اس کو رقم دے دی اور وہ روانہ ہو گیا۔۔۔

اس واقعے کو ایک عرصہ ہو گیا۔۔۔ مگر وہ لوت کر نہیں آیا۔۔۔ ہارون کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی دھوکے باز تھا۔۔۔ جو

اسے فریب دے کر رقم مہیا لے گیا ہے۔۔۔ ایک روز دربار میں اس شخص کا پھر تذکرہ ہوا۔۔۔ ہارون نے مُسْتَأْسِفٍ ہیجے میں کہا۔۔۔

” اُس شخص نے کیسے ہماری آنکھوں میں دھوک جھونکی ہے۔۔۔ اگر وہ کہیں ہاتھ لگ جائے۔۔۔ تو اس سے کتنی گنازی ادا رقم وصول

ایک بہت عمدہ مچھلی لے کر آیا ہوں۔

ہارون نے زُبیدہ سے کہا۔ ”یہ انعام کی آس میں میرے پاس یہ بدیہ لایا ہے۔ اسے انعام میں چار ہزار درہم دے دیے جائیں تو کیا مناسب رہے گا؟“

زُبیدہ بولی۔ ”نہیں عالی جاہ۔ شکاری کا منصب نہیں کہ اسے اتنا زیادہ انعام دے دیا جائے۔ آپ فوجیوں اور معزز شہریوں کو بھی انعام ادا کرام عطا کرتے ہیں۔ اگر آپ انھیں اس سے کم دیں گے۔ تو وہ شکوہ کریں گے کہ ہم شکاری کے برابر بھی نہیں۔ اگر زیادہ دینے کی رسم پڑگئی۔ تو خزانہ خالی ہو جاتے گا۔“

یہ بات ہارون کے دل کو لگی اور وہ بولا۔ ”مگر اس کو کچھ تو دینا ہے۔“

”تو آپ اس طرح کریں کہ شکاری سے پوچھیں کہ یہ مچھلی زہر ہے یا مادہ۔ اگر وہ کہے مادہ ہے۔ تو کہیں ہمیں یہ پسند نہیں۔ اور اگر وہ کہے زہر ہے۔ تو بھی آپ کہہ دیں کہ یہ ہمیں نہیں چاہیے۔ اس طرح وہ مچھلی واپس لے جائے گا اور انعام بھی نہیں دینا پڑے گا۔“ زُبیدہ نے تجویز پیش کی۔

بُہلُوں نے آہستگی سے کہا۔ ”شکاری اتنی دور سے بڑی آس لے کر آیا ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ ملکہ کی یاتوں میں

بلی نے جو بڑھیا کا شور و غل سنا تو پریشان ہو گئی اور غصہ سے بولی۔ ”دیکھو یہ بڑھیا کس قدر جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ اتنا سامرُغ بھلا دومن کا ہے۔“

اتفاقاً ایک لو مرٹی قریب سے گزر رہی تھی۔ وہ بلی سے بولی۔ ”بہن تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ ذرا مُرغ کو مجھے دو۔ میں ابھی تول کر بتا دیتی ہوں کہ یہ دومن کا ہے یا نہیں۔“ بلی نے مُرغ لو مرٹی کو دے دیا۔ اس نے مُرغ دبوچا اور یہ کہہ کر غائب ہو گئی کہ۔ ”بہن بلی۔ بڑھیا سے کہہ دینا کہ اس کا مُرغ تین من کا ہے۔“

ہارون اپنی ہنسی نہیں روک سکا۔ اہل دربار بھی مسکرانے لگے۔ ہارون بولا۔ ”بُہلُوں تھارے اس قصّے نے ہماری افرادگی کو زاری کر دیا ہے۔“

۱۶

خلیفہ ہارون رشید اپنی ملکہ زُبیدہ کے ہمراہ شترن کھیل رہا تھا۔ بُہلُوں بھی قریب بیٹھا تھا۔ اسی وقت چوب دار نے صدا دی۔ ”ایک شکاری باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔“ ”اجازت ہے۔“ ہارون نے اجازت دی۔

شکاری اندر آیا اور زمین چُوم کر بولا۔ ”میں خلیفہ کے لیے

کوئی اور مُلّا زِمْ ہی اُٹھا لیتا۔

ہارون کو بھی ملکہ کی بات لائق توجہ محسوس ہوئی۔ اس نے پُنکار کر کہا۔ ”شکاری کو بلا لایا جائے۔“

قریب پڑھتے ہوئے بُہلُوں نے دلبی زبان میں کہا۔ ”عالیٰ جاہ ملکہ کے کہنے پر شکاری کو منزہ روکیے۔“

ہارون نے توجہ نہیں دی۔ تب تک چوپدار شکاری کو بلا لایا اور ہارون کی خدمت میں پیش کیا۔

ہارون بولا۔ ”اے صیاد! ہمیں تیری یہ حرکت بہت ناگوار گزری ہے۔ کہ تیرے پاس چار ہزار درہم موجود ہیں۔ اگر ان میں سے ایک گر گیا تھا۔ تو تو نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اسے چھوڑ دے۔ شاید وہ کسی غریب کو مل جائے اور وہ اس سے اپنا کام نکال لے۔“

شکاری تعظیماً جھکا اور بولا۔ ”جان کی آمان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔“

”آمان ہے۔“ ہارون نے آمان دی۔

شکاری مُودَّب ہجے میں بولا۔ ”حضور یہ ناچھر پست فطرت نہیں ہے۔ بلکہ نمک کی قدر کرنا جانتا ہے۔ میں نے اس لیے وہ درہم اُٹھایا تھا کہ اس کے ایک طرف آیاتِ قرآنی کشیدہ ہیں اور دُوسری جانب آپ کا اسم گرامی۔ میں نہیں چاہتا

اکر آپ اسے نامُراد لوٹا دیں اور وہ رنجیدہ ہو۔“

ہارون نے بُہلُوں کی بات پر توجہ نہیں دی اور چوپدار سے بولا۔ ”شکاری کو ہماری خدمت میں پیش کرو۔“

شکاری قریب آیا تو ہارون نے سوال کیا۔ ”لے شکاری کیا تو بتا سکتا ہے کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟“

شکاری تعظیماً جھکا اور بولا۔ ”عالیٰ جاہ! نر یہ نر ہے نہ مادہ۔ یہ مچھلی تو مختَث ہے۔“

ہارون بے ساختہ ہنسنا اور بولا۔ ”تمہاری حاضر جوں ہمیں پسند آئی۔ تمہیں چار ہزار درہم انعام میں دیے جائیں گے۔“

”حضور کا اقبال بلند ہو۔“ شکاری درہم لے کر دعائیں دیتا ہوا خصت ہوا۔

جب وہ محل کی سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔ تو ایک درہم زمین پر گر پڑا۔ شکاری رُک گیا اور اس نے درہم اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

ہارون اور زُبیدہ بھی اُسے دیکھ رہے تھے۔ زُبیدہ جو اتنی رقم جانے پر افسردہ سی تھی۔ ہارون سے بولی۔ ”عالیٰ جاہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ شکاری کس قدر لاپچی اور لمینہ ہے۔ اس نے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا۔ کیا حرج تھا اگر اسے محل کا

بہلول کچھ دیر چپکا بیٹھا رہا۔ پھر حکیم سے بولا۔ ”آپ کیا کام کرتے ہیں؟“

حکیم اس کی میمت کذانی دیکھ کر اسے پاگل سمجھا اور اس کی بنسی اڑانے کو بولا۔ ”جناب۔ میں حکیم ہوں اور میرا کام مُردوں کو زندہ کرنا ہے۔“

دربار میں دبی دبی بنسی کی آواز سنائی دینے لگی۔ بہلول نے مُسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بڑے مزے سے بولا۔ ”جناب حکیم صاحب قبلہ۔ برائے کرم آپ زندوں کے حال پر رحم کریں ان کی جان بخشی کر دیں۔ باقی رہے مردے۔ تو ان کو زندہ کرنا آپ کا ہدیہ ہے۔“

دبی دبی بنسی قہقہوں میں بدل گئی۔ ہارون بھی ان میں

شامل تھا۔ حکیم اتنا محفل ہوا کہ واپس یونان چلا گیا۔

۱۸

ہارون نے محفل میں نوشی سجار کھی تھی۔ وزیر امیر بیٹھے تھے مسلمانوں کا خلیفہ کنیز وہ کے ہاتھوں سے جام میں لے کر خم کے خم لندھا رہا تھا۔ کہ بہلول بھی وہاں آپنچا۔ اس نے خلیفہ کی حرکتوں کو خاموش نکالا ہوں سے دیکھا تو ہارون نے اس کی فصیحتیں یاد آئیں۔ نشے کی ترنگ میں اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ

تھا کہ یہ زمین پر پڑا رہے اور کسی کے پاؤں تسلے آجائے۔ اور بے ادبی ہو۔“

خلیفہ کو اس کی حاضر جوابی نے محظوظ کیا۔ اس نے خوش ہو کر حکم دیا۔ ”شکاری کو چار ہزار درہم اور دیلے جائیں۔“

شکاری رخصت ہو گیا۔ تو بہلول نے کہا۔ ”عالیٰ جاہ! کیا میں نے آپ کو نہیں روکا تھا کہ شکاری کو واپس نہ بلالیں۔“ ہارون ہنسا۔ ”بہلول آج تو میں نے تجویز سے بھی زیادہ دیوانگی کا منظاہرہ کیا ہے۔ تم نے مجھے دونوں بار روکا۔ لیکن میں نے توجہ نہیں دی۔ اور ملکہ کی بات پر کان دھرنے کا یہ نقصان ہوا کہ چار ہزار کے بجائے ۲۳ ہزار درہم خزانے سے گئے۔“

۱۷

کہتے ہیں کہ ایک بار ہارون نے یونان سے کسی حکیم کو بلوایا جب وہ بغداد پہنچا۔ تو ہر طرف اس کا شہرہ ہو گیا۔ ہارون نے اسے دربار میں بڑی عزت دی۔ جس کی وجہ سے اس کے امراء اور معززین شہر حکیم سے خاص طور پر ملنے کے لیے دربار گئے بہلول کو بھی خبر ہوئی۔ وہ بھی اپنی دیوانگی کا لباس پہننے دربار میں جا پہنچا۔ دیکھا کہ حکیم دربار میں بڑی شان سے بیٹھا ہے وزیر امیر اس کی تعریفوں کے پُل باندھ رہے ہیں۔

”اجازت ہے“ — پارون جھوٹا ہوا بولا۔

بُہلُول بولا — کیا عالی جاہ بتائیں گے کہ اگر کسی آدمی کے سر پر تھوڑی سے مٹی ڈال دی جاتے — تو کیا اسے کوئی نقصان پہنچے گا؟

”نہیں“ — خلیفہ نے فوراً جواب دیا۔

”اس کے بعد اس کے سر پر تھوڑا سا پانی ڈال دیں۔ تو کیا اس شخص کو کوئی تنکیف ہوگی؟“

”نہیں — بالکل نہیں“ — پارون بولا۔

”لیکن — !! بُہلُول نے اسے مُتوجہ کیا — ”اگر اس مٹی اور پانی کو ملا کر اینٹ بنالی جاتے اور وہ اس شخص کے سر پر ماری جائے — تو کیا کوئی نقصان ہوگا؟“

”تمم بھی عجیب باتیں کرتے ہو بُہلُول“ — خلیفہ ہنسا —

”اس کا تو سر پھٹ جائے گا“

”تو پھر عالی جاہ — غور فرمائیں تو انھیں معلوم ہو گا کہ جس طرح مٹی اور پانی مل کر انسان کا سر پھوڑ سکتے — اسی طرح انگور اور پانی مل کر بھی ایسی چیز بنا دیتے ہیں — جو حرام اور نپاک ہے — جس کے پینے سے انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ اسے بُرے بھلے کی تمیز نہیں رہتی — اسی لیے اسلام نے اس کے پینے والے پرسزا واجب کی ہے“ —

بُہلُول کوئی ایسی بات کہہ دے — جو اس کا سر جھکا دے۔ وہ

پہل کرے — اس نے بُہلُول کو دیکھا اور بولا —

”بُہلُول — میرے ایک سوال کا جواب دو گے“ —

”میں تیار ہوں“ — بُہلُول نے جواب دیا۔

”بُہلُول — یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص انگور کھا رہا ہو تو کیا حدا

ہے؟“ — پارون نے سوال کیا۔

”نہیں — بالکل نہیں“ — بُہلُول نے کہا۔

”اگر وہ انگور کھا کر پان پی لے — تو“ — ? پارون بولا۔

”کوئی حرج نہیں“ — بُہلُول نے بتایا۔

اُب یہی شخص انگور کھانے اور پانی پینے کے بعد دھوپ میں بیٹھ جائے تو پھر“ — ??

”کوئی مضائقہ نہیں — جتنی دیر چاہے بیٹھے“ — بُہلُول نے جواب دیا۔

”تو پھر بُہلُول — تم خود ہی بتاؤ کہ یہی انگور اور پانی کچھ عرصہ دھوپ میں رکھ دیے جائیں — تو حرام کیوں ہو جاتے ہیں؟“ پارون نے بڑے فخر سے اپنا فلسفہ بیان کیا۔

”اگر اجازت ہو تو میں بھی خلیفہ سے چند سوال کرلوں — امید ہے ان ہی سوالات میں خلیفہ کو اپنے سوال کا جواب بھی مل جائے گا“ — بُہلُول نے اطمینان سے کہا۔

بُہلُوں بھی موجود تھا۔ اچانک ایک ہر نظر آیا۔ خلیفہ نے فوراً کمان اٹھائی اور ہرن کا نشانہ لے کر تیر چھوڑا۔ لیکن نشانہ خطا گیا۔ ہرن چوکریاں بھرتا نکال ہوں سے او جھل ہو گیا۔

”بہت خوب۔! بہت خوب۔!! سبحان اللہ۔“ بہلول نے بے ساختہ داد دی۔

خلیفہ کو ناگوار گزرا۔ غصہ سے بولا۔ ”بُہلُوں۔ تو میرا مذاق اڑا رہا ہے۔“

”نہیں عالی جاہ۔ یہ ناچیز تو ایسی جسارت کرنے کا تصویر بھی نہیں کر سکتا۔“ بُہلُوں نے عاجزی سے کہا۔

”تو پھر یہ داد کس کو دے رہے تھے۔؟ ہارون نے درستی سے پوچھا۔“

”جہاں پناہ۔ میں نے ہرن کو داد دی ہے کہ وہ آپ کے تیر سے کتنی خوب صورتی سے بچا ہے۔“

۲۰

بُہلُوں اکثر قبرستان میں بیٹھا رہتا تھا۔ ایک روز ہارون کا اسی طرف سے گزر ہوا۔ بُہلُوں پر نگاہ پڑی۔ تو سواری ٹھہرائی اور بولا۔ بُہلُوں۔ یہاں کیا کر رہے ہو۔؟

”میں ایسے لوگوں کی ملاقات کو آیا ہوں۔ جو نہ لوگوں کی

۱۲۹

ہارون کا نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھا اور پیشہ مانی سے بولا۔

”مشراب کی یہ محفل برخواست کی جاتی ہے۔“

ایک روز ہارون حمام گیا۔ تو بُہلُوں بھی ہمراہ تھا۔ یارون کو مذاق سو جھا۔ تو بُہلُوں سے بولا۔ ”بُہلُوں۔ اگر میں غلام ہوتا۔ تو میری کیا قیمت لگتی۔؟“ بُہلُوں نے بہت مزے سے کہا۔ ”عالی جاہ۔ صرف پچاس دینار۔!!“

خلیفہ کو اس کی امید نہیں تھی۔ اس کا نازک شاہی مزاج بگڑا۔ ”ہو ناتم دیوانے۔ انسان کی قدر و قیمت کا تو تمھیں اندازہ ہی نہیں۔ احمد جانتے ہو کہ یہ تہمد جو میں نے پہن رکھی ہے۔ پچاس دینار تو صرف اس کی قیمت ہے۔“ میں نے بھی تو صرف تہمد کی، ہی قیمت لگائی ہے سرکار! ورنہ خلیفہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔“ بُہلُوں نے ہنس کر کہا۔

۱۹

خلیفہ بڑے تزک و احتشام سے شکار پر روانہ ہوا۔ امیر وزیر ہمراہ تھے۔ غلام ایر کمان اٹھانے ساتھ چل رہے تھے۔

۱۲۸

ہے۔ میرا بس کیا ہے اور میری خوراک کیا ہے۔ اس کے بعد اسی طرح آپ بھی توے پر کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرائیں۔“
پارون کو کچھ تأمل تو ہوا۔ لیکن اس نے منظور کر لیا اور بہلول سے بولا۔ ”چلو۔ تم پہل کرو۔“

بہلول تیزی سے توے پر کھڑا ہو گیا اور جلدی سے بولا۔
بہلول، خرقہ، جو کی روٹ اور سرکہ۔“ یہ تین لفظ کہہ کر وہ جھٹ توے سے نیچے اُتر آیا۔ ان چند لمحوں میں اس کے پر جلنے سے محفوظ رہے۔

اب پارون کی باری آئی۔ وہ توے پر چڑھا۔ اور شاہی القاں کے ساتھ ابھی اپنا نام بھی نہیں بتا پایا تھا کہ اس کے پر جلنے لگے۔ وہ گرتاڑتا توے سے نیچے اُتر آیا اور بولا۔
”بہلول۔ تم نے مجھے کس عذاب میں ڈال دیا تھا۔“

بہلول مسکرا یا۔“ آپ نے ہی تو فرمائش کی تھی کہ آپ کو قیامت کے سوال وجواب کے بارے میں بتایا جائے۔ تو آپ نے دیکھا۔ کہ گرم توے پر قدم رکھنا کتنا مشکل ہے۔ اسی طرح جو لوگ خُدّا پرست ہیں۔ دُنیا کے جاہ و حشمت سے دور ہیں۔ لائق اور طمع نہیں رکھتے۔ وہ تو پل صراط پر سے آرام کے ساتھ گزر جائیں گے۔ اور جو دُنیاوی شان و شوکت میں ڈوبے ہوئے ہیں اخیں اسی طرح عذاب سے گزنا ہو گا جس طرح ابھی آپ کو محسوس ہوا۔“

غیبت کرتے ہیں۔ نہ مجھ سے کوئی امید یا توقع رکھتے ہیں اور نہ کسی کو کوئی تخلیف دیتے ہیں۔“ بہلول نے وضاحت کی۔
پارون نے گہرائیا۔“ بہلول کیا تم مجھے پل صراط سے سے گز نے اور اس دُنیا میں سوال و جواب کی کچھ خبر دے سکتے ہو؟“
”یقیناً۔ لیکن اس کے لیے تھوڑا اہتمام کرنا ہوگا۔“ کیا عالی جاہ اس کا استظام کر دیں گے؟“ ؟ بہلول نے کہا۔
”ہاں۔ ہاں۔ تم بتاؤ۔ میں ابھی حکم دیتا ہوں۔“

پارون نے جواب دیا۔

”پھر عالی جاہ۔ پسے ملازموں کو حکم دیں کہ وہ یہاں آگ جلائیں۔ اس پر ایک بڑا توار کھیں۔ اس توے کو گرم ہو کر سُرخ ہو جانے دیں۔“ بہلول نے بتایا۔
”بہلول کی فرمائش پوری کی جائے۔“ پارون نے فرمان

شاہی جاری کیا۔

ملازموں نے فوراً آگ جلالی۔ تو لا لایا گیا اور گرم ہونے کے لیے آگ پر رکھ دیا گیا۔ لوگوں کی نظریں اسی جانب تھیں اور حیرت سے سوچ رہے تھے کہ اس سے بہلول کا کیا مقصد ہے۔ یہاں تک کہ تو ا خوب گرم ہو گیا۔

بہلول نے کہا۔ عالی جاہ۔ پسے میں اس توے پر ننگے پاؤں کھڑا ہوں گا اور اپنا تعارف کراؤں گا۔ یعنی میرا نام کیا

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ہارون کا وزیر فضل بن ربیع ایک راستے پر گزر رہا تھا۔ دیکھا کہ بہلوں ایک طرف بیٹھا۔ کچھ سوچ رہا ہے۔ فضل نے اس کا نام لے کر اُسے پکارا۔ ”بہلوں۔ کیا سوچ رہے ہو؟“

بہلوں نے چونک کر سراہھایا۔ دیکھا کہ فضل بن ربیع کھڑا ہے۔ بولا۔ ”تیرے انجام کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔“ فضل چونک گیا۔ ”کیوں۔ نجیریت تو ہے بہلوں؟“ ”سارے وزیر ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا انجام بھی ملتا جلتا ہی ہوتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تیرا بھی انجام جعفر بر مکی کا سانہ ہو۔“ فضل کا نپ گیا اور بولا۔ ”بہلوں میں نے جعفر بر مکی کے بارے میں سنا تو ہے۔ لیکن دوسرے لوگوں کی زبانی۔ نہ جانے اس میں کتنا جھوٹ ہے اور کتنا سچ۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اس کے بارے میں بتا کہ آخر ہارون نے اس کے قتل کا حکم کیوں دیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں میرے یہ بھی کوئی سبق ہو۔“

بہلوں نے کہا۔ ”تو پھر بیٹھ جا اور کان دھر کر سن۔“

فضل بیٹھ گیا اور بہلوں نے کہنا شروع کیا۔ ”تم جانتے ہونا کہ منصور کے بیٹے ہمہدی کے زمانے میں خالد بر مکی کا بیٹا یحییٰ بر مکی ہارون رشید کا کاتِب مقرر ہوا تھا۔“ فضل نے ہنکارا بھرا۔ ”ہاں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ہارون یحییٰ اور اس کے بیٹے جعفر کی لیاقت دیکھ کر انہیں بہت پسند کرنے لگا تھا۔“

”بادشاہ کی پسند و ناپسند ہمیشہ زوال کا باعث بنتی ہے ہارون کو جعفر بر مکی کے ساتھ اتنی محبت ہو گئی کہ اس نے اپنی ہمیشہ عباس کا نکاح جعفر بر مکی سے کر دیا۔ لیکن اسے یہ بھی تاکید کر دی کہ وہ عباس کو اپنی بیوی نہ بنائے۔ اور خلیفہ کی بہن سمجھ کر اس پر دست درازی کی کوشش نہ کرے۔ جعفر بر مکی نے قول تو دے دیا۔ لیکن اس پر پورا نہ اُتر سکا۔ اس کی اطلاع ہارون کو بھی ہو گئی۔ اور اس کی محبت دشمنی میں بدل گئی۔“ اس نے اپنے غلام مسرور سے کہا۔ ”آج تھارے سپرد ایک اہم کام ہے۔ جس کی تکمیل ہر صورت میں ہونی چاہیے۔“ مسرور نے سرتیسلیم خم کیا تو ہارون بولا۔ ”آج رات جعفر بر مکی کا سر کاٹ کر ہماری خدمت میں پیش کرو۔“

مسرور ہک پک رہ گیا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی اور اس کا سر جھک گیا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر ہارون

سے سرتباں کر کے خود مصیبت میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا۔
وہ جعفر سے بولا۔ ”آپ میرے ہمراہ ہارون کے محل تک چلیں
ہو سکتا ہے آپ کی محبت خلیفہ کو اپنا فیصلہ بدلتے پر مجبور کر دے۔
жуفر کو مجبوراً اس کی بات ماننا پڑی۔ اس کے دل میں
امید کی تھوڑی سی جو رُمق باقی تھی۔ وہ اس کے سہارے مسرور
کے ساتھ چل چلا۔ مسرورنے جعفر کو پردے کے پیچے کھڑا کیا اور
خود لرزتا کا نیتا خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اُسے دیکھتے ہی ہارون نے کہا۔ ”مسرور۔ کیا تم نے
میرے حکم کی تعییل کی ہے۔“

مسرور گھبرا گیا۔ اور جلدی سے بولا۔ ”عالیٰ جاہ۔ جعفر
بر مکی میرے ساتھ آیا ہے۔ وہ پردے کے پیچے کھڑا ہے۔
وہ۔“

”مسرور یاد رکھ کر۔ اگر تو نے میرے حکم کی تعییل میں
ذرہ برابر بھی شستی کی۔ تو جعفر سے پہلے تیرا سر اڑتا ہو انظر
آتے گا۔“

مسرور کو اپنی جان پسایا تھی۔ اُس نے لپک کر پردہ
اٹھایا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ وجہہ و حسین نوجوان کا سر
تن سے جُدا ہو گیا۔ پھر اس نے اس جوان رُخنا کا سر ہاتھ میں
لیا۔ جو شرافت اور دلنشتمدی کی تصور تھا۔ جس کی فیاضی

نے کڑے لے جے میں کہا۔ ”مسرور۔ تو پریشان کیوں ہو گیا ہے
کس سوچ میں پڑ گیا ہے۔؟“
مسرور نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ”حُسنور۔ یہ امر غظیم ہے
سوچتا ہوں کہ کاش آپ نے اس کام کے لیے مجھے منتخب نہ کیا
ہوتا۔“

”تو گویا۔ تو اپنی موت کو آواز دینا چاہتا ہے۔ اور اسی
موت جس پر پرندے بھی آنسو بھائیں۔“ ہارون نے غضیناں
لے جے میں کہا۔

تو مسرور کے پاس اس کے سوا چارہ کا رہنہیں تھا کہ اس
کے حکم کی تعییل کرے۔ وہ سر جھکاتے ہوئے جعفر بر مکی کے
یہاں پہنچا اور اسے تمام ماجرا کہہ سنا۔
جعفر بر مکی بے حد پریشان ہوا۔ اس کے پیروں تکے نے
زمیں نکل گئی۔ لیکن اُس نے امید کا سہارا لیا اور مسرور سے
بولا۔ ”مسرور۔ کیا خبر کہ خلیفہ نے یہ حکم شراب کے نشے میں
دیا ہو۔ اور جب وہ ہوش میں آتے۔ تو اسے پچھتاوا ہو
اس لیے میری ماں اور خلیفہ کے پاس جا۔ اور اسے اطلاع
دے دے کہ تو نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ اگر وہ افسوس کا اظہار
نہ کرے تو تجھے اختیار ہے۔ شوق سے اگر میرا سر کاٹ لے۔“
مسرور خلیفہ کی طبیعت سے واقف تھا۔ وہ اس کے حکم

بُہلُوں قریب ہی کھڑا تھا۔ وہیں سے پنکار کر بولا۔
 حضرت فضل بن ربيع۔ کیا آپ اس دیوانے کو یہ بتانے کی
 زحمت گوارا فرمائیں گے کہ آپ نے یہ مسجد کس کے لیے بنوائی ہے؟
 یہ خدا کا گھر ہے۔ اسے میں نے اللہ کی خاطر بنایا ہے۔
 فضل نے جواب دیا۔

بُہلُوں مسکرا یا۔ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ کہ یہ آپ نے
 اللہ کے لیے بنوائی ہے۔ تو پھر اس پر اپنا نام کیوں لکھوا رہے
 ہیں۔؟
 فضل نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیوں میں اپنا
 نام کتبے پر کیوں نہ لکھواوں۔ آخر لوگوں کو بھی تو معلوم ہونا چاہیے
 کہ اس مسجد کا بنانے والا کون ہے۔“

”تو پھر میرا نام لکھوا دو۔ لکھوا دو کہ اس مسجد کا بنانی بُہلُوں
 ہے۔“ بُہلُوں نے ہنس کر کہا۔
 ”عجیب دیوانے ہوتم۔ بھلا تھارا نام لکھوانے کی کیا تک
 ہے۔“ اس نے ناگواری سے کہا۔
 ”چلو نہ سہی۔ میرا نام نہ لکھوا۔ اپنا ہی نام لکھوا لو
 تاکہ تمھاری شہرت اور نیک نامی ہو۔ لیکن پھر ثواب کا خیال
 اپنے دل میں نہ لانا۔“ بُہلُوں یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
 فضل کا سر جھک گیا۔ وہ ندامت سے بولا۔ ”بلاؤ۔“

اور سخاوت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اُسے اپنے سر پر رکھا اور
 باروں کے سامنے پیش کر دیا۔
 ”بلے رحم خلیفہ کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوتی اور اس نے
 حکم دیا کہ بر ملکیوں کے پورے خاندان کا نام و نشان مٹا دیا جائے
 ان کا مال و اشیاب فرق کر لیا جاتے۔ جعفر کی لاش بغداد
 کے قلعے پر لٹکا دی گئی اور چند دن بعد اُسے جلا دیا گیا۔
 ”اے فضل۔!!! وزارت کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔
 اس لیے محتاط رہو اور عوام کی بھلانی کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔
 فضل کا نپ گیا اور پریشانی سے بولا۔ بُہلُوں مجھے سلامتی
 کی دعا دو۔“

فضل بن رزیع نے بغداد میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔
 وہ اپنے خرچ پر اسے بنوata رہا۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی۔ تو
 مسجد کے دروازے پر کتبہ لگانے کی باری آئی۔ فضل بھی اس
 موقع پر آیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس کتبے پر کوئی عبارت
 لکھوائی جائے۔؟

”ظاہر ہے اس پر تو میرا ہی نام لکھا جائے گا۔“ فضل
 نے بڑے فخر سے کہا۔

بُہلُوں مسکایا۔ ”صرف میری دُعائیں تو اتنی تاثیر نہیں
ہے کہ اتنا بڑا اونٹ اس سے شفایا ب ہو جاتے۔ ہاں اگر تم
ارندھی کا تیل لے آؤ۔ تو میں اس پر دعا دم کر دوں گا۔
تم وہ تیل استعمال کرنا۔ تو امید ہے کہ کام بن جائے گا۔
بات اس شخص کی سمجھیں آگئی۔ وہ شہر سے تیل خرید
لایا۔ بُہلُوں نے اس پر دعا دم کر دی۔ کچھ روز کی ماں ش سے
اس کا اونٹ تند رست ہو گیا۔

۲۲

بُہلُوں کا ایک دوست یگہوں پسوا کر والیں آرہا تھا کہ اس
کا گدھا لگانے لگا۔ اس نے گدھے کو دو تین چھپڑیاں لگا کر
آگے دھکیلتا چاہا۔ لیکن وہ لش سے مس نہ ہوا اور بالآخر زمیں
پر گرپڑا۔ قریب ہی وہ خستہ حال مکان تھا۔ جہاں بُہلُوں ان
دلوں مقیم تھا۔ اس شخص نے دروازہ کھٹکایا اور آواز دی
”بُہلُوں بھائی۔! بُہلُوں بھائی۔ ذرا مجھے اپنا گدھا تو
دے دو۔ میرا گدھا تو آدھرستے میں جواب دے گیا اور مجھے
یہ آٹا گھر پہنچانا ہے۔“

بُہلُوں اس کی آواز پہنچا تھا۔ وہ اس کی عادت سے
بھی واقف تھا کہ وہ جانور کی صبح نگہداشت نہیں کرتا تھا اور ان

۱۳۹

بُہلُوں کو۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے۔ کتبے پر وہی لکھ دو۔
لوگ بُہلُوں کے پیچے دوڑے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کتبے
پر کیا لکھا جائے تو وہ بولا۔ ”قرآن پاک کی آیت سے بہتر
اور کچھ نہیں۔ جو اس کتبے پر کندہ کیا جائے۔“
فضل نے بھی اس کی تائید کی اور مسجد کے کتبے پر آیات
قرآن لکھوائی گئیں۔

۲۳

ایک اعرابی کے اونٹ کو کھجولی کی بھیاری لاجئ ہو گئی۔
لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس پر ارنڈی کے تیل کی ماں ش کرے
آغرا می اونٹ پر سوار ہوا اور شہر کی جانب روانہ ہو گیا تاکہ
ارندھی کا تیل خرید لاتے۔

راہ میں بُہلُوں کو دیکھا۔ تو اس نے اپنا اونٹ کھپڑا لیا۔
تپچے اُترا اور اسے سلام کر کے بولا۔ ”میں عجیب مصیبت میں
گرفتار ہو گیا ہوں۔ میرے اونٹ کو خارش ہو گئی ہے۔“
لوگوں نے تو ارنڈی کے تیل کی ماں ش کرنے کا مشورہ دیا ہے
میں ارنڈی کا تیل لیتے ہی جا رہا تھا۔ تمہیں دیکھا۔ تو مجھے
خیال آیا کہ تھاری دُعا میں تو بڑا اثر ہے۔ اگر تم میرے اونٹ
پر دم کر دو۔ تو اسے شفا ہو جائے گی۔“

۱۳۸

خاص پروانہیں کی اور اس کے حسب مشانہ نے کالیسہ مکبدن پر نہیں گڑا۔
 بہلوں فارغ ہو چکا۔ تو باہر آیا۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ
 ڈالا اور دس دینار نکال کر حمام کے مالک کی ستحیلی پر رکھ دیے۔
 حمام کا مالک اجرت سے بہت زیادہ رقم دیکھ کر قدرے نادم
 ہوا کہ اس نے بہلوں کے ساتھ لا پرواںی برتنی۔ بہلوں کچھ کہے بغیر
 حمام سے باہر نکل آیا۔
 اگلے ہفتے وہ پھر حمام کرنے لگا۔ تو اسے دیکھتے ہی حامی
 دوڑے ہوئے آئے اور اسے ہاتھوں ہاتھ اندر لے گئے اور بڑے
 ادب سے اسے غسل کرنے میں مدد دی۔
 بہلوں فارغ ہو کر باہر آیا۔ تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا
 اور ایک دینار مالک کی ستحیلی پر رکھ دیا۔ وہ غصتے سے لال چھوکا
 ہو گیا۔ اس نے دینار دُور پھینک دیا اور درشتی سے بولا۔
 "حضرت آپ ہوش میں تو ہیں۔ حمام کرنے کی یہ اجرت؟"
 "قبلہ۔ اس مرتبہ حمام کرنے کی اجرت تو میں پچھلے ہفتے کی
 ہی آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔ یہ تو پچھلے ہفتے کی
 اجرت ہے۔ جو میں نے اب ادا کی ہے۔ تاکہ آپ کو احساس ہو
 کر گا ہوں کے ساتھ کیسا بتاؤ کرنا چاہیے۔"

سے بے رحمی کا سلوک کرتا تھا۔ اس لیے وہ اپنا گدھا سے دینا
 نہیں چاہتا تھا۔ وہ باہر نکلا اور اس شخص سے بولا۔ "یار۔
 بڑا فسوس ہے کہ میرا گدھا۔ کوئی مانگ کر لے گیا ہے۔ اس لیے
 اس وقت تو تمہارے کام نہیں آسکتا۔"

ابھی بہلوں کے الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ گھر کے
 اندر سے گدھے کی ڈھینچوں۔ ڈھینچوں کی آواز سنائی دینے لگی۔
 وہ شخص ہوشیار ہوا اور شکوئے کے انداز میں بولا۔ "اچھا بہلوں
 بھائی۔ تم بھی اچھے دوست ہو۔ تمہارا گدھا تو گھر میں موجود
 ہے اور تم کہتے ہو کہ اسے کوئی مانگ کر لے گیا ہے۔"

"اور تم بھی اچھے دوست ہو۔" بہلوں نے اسی کے لیے
 میں کہا۔ "میرا تمہارا پچاس سال کا ساتھ ہے اور تم میری
 بات پر یقین نہیں کر رہے۔ اور گدھے کی بات مانتے پر
 تیار ہو۔"

٢٥

بہلوں حمام کرنے لگا۔ تو وہی اپنی گدھی پیٹی ہوتے
 تھا۔ اس کی پاپوش بھی بوسیدہ تھی اور لباس بھی عمده نہیں
 تھا۔ حمام کے جامیوں نے اس کی جانب بالکل توجہ نہیں نی
 خاصی دیر بعد اس کی باری آئی۔ تو بھی انہوں نے بہلوں کی کوئی

بغداد کے شریروڑ کے پاگل ہے۔ پاگل ہے ”کاشور مچاتے ایک شخص کے پیچے روڑتے جا رہے تھے۔ وہ پریشان حال شخص بار بار مڑ کر انھیں منع کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن وہ کسی طور نہیں مانتے تھے۔ کوئی اُسے پتھر مارتا تھا۔ کوئی اُس کے کپڑے پھینپھاتھا۔ کوئی پاگل کہہ کر اُسے چھپیرتا تھا۔ وہ انھیں منع کر کر کے تھک گیا۔ تو اس نے ہاتھ چوڑ دیتے اور ان نئھنہ شیطانوں سے بولا۔ ”خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں پاگل نہیں ہوں میں پاگل نہیں ہوں۔ اس کی آواز رُندھگتی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگتے۔

لڑکے کھلا کھلا کر ہنس پڑے۔ ان میں سے ایک شریروڑا ”سارے ہی پاگل اسی طرح کہتے ہیں۔“

دوسرا نے لفڑ دیا۔ ”تم تو شکل سے ہی پاگل نظر آتے ہو اور پھر بھی کہتے ہو کہ میں پاگل نہیں۔“

”پاگلوں کے سر پر سینگ تو نہیں ہوتے۔“ کوئی اور بولا اور سب اسے چھپیرنے اور تنگ کرنے لگے۔

”ٹھہر جاؤ تم۔ شیطان کے چیلو۔ میں ابھی تمھیں سیدھا کرتا ہوں۔“ ایک کڑک دار آواز سنائی دی۔ تو لڑکوں نے

مذکور دیکھا۔

بُہلوں اپنا عصا ہرتا چلا آتا تھا۔ ”تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ایک شریف آدمی کو تنگ کرتے ہو۔“ وہ غصے سے بولا۔ ”تمھیں ذرا خوف خدا نہیں ہے۔ بچارے اجنبی کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ چلو۔ بھاگو۔ یہاں سے ورنہ۔“ !!! اس نے دانت پیس کر لائھنی اٹھائی۔ تو لڑکے سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

اس شخص کی جان میں جان آئی۔ اس نے اپنا بابا س درست کیا اور یا پنٹا ہوا بولا۔ ”آپ کی بہت مہربانی۔ اگر آپ نہ آتے تو یہ شریروڑ کے مجھے سچنچ ہی پاگل کر دیتے۔“ اس کی آنکھیں بڑھ گئیں۔

بُہلوں نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ شکل و صورت اور لباس سے اجنبی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی اور ہراس تھا۔ بُہلوں نے ہمدری سے پوچھا۔ ”بھائی۔ تم اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ ہمارے اس شہر نے تم پر جو ظلم کیا ہے۔ کچھ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اور کچھ تم سُنادو کر جس نے تھاری آنکھوں میں آنسو بھر دیے ہیں۔“ اس شخص نے ایک آہ بھری۔ ”آپ درست فرماتے ہیں۔ اس شہر نے تو مجھے پاگل بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ میں ۱۲۳

"اچھا اب تم اس طرح کرو کہ مجھے اس عطار کا پتہ بتاو
کل اسی وقت تم چھر اس عطار کی دکان پر آنا اور اس سے اپنی
امانت کا مطالبہ کرنا۔ بُہلوں نے اسے ہدایت دی۔

"نہیں جناب۔ اب میں اس مکار کی دکان پر نہیں جاؤں گا
پہلے ہی اس نے میرے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔" اجنبی نے گھر کیا
پوری بات تو سُن لو یار۔ تھیں اس قدر گھرانے کی ضرورت
نہیں۔ میں اس کی دکان پر پہلے سے موجود ہوں گا۔ یہ میرا
ذمہ کہ وہ تھیں کچھ نہیں کہے گا۔" بُہلوں نے زور دے کر کہا۔
اگلے روز بُہلوں اس عطار کی دکان پر پہنچا۔ اس کے ہاتھ
میں ایک تھیلی تھی۔ وہ اُسے سلام کر کے بولا۔ "جناب۔ میں
کچھ عرصے کے لیے خُسان جارہا ہوں۔ دُور کا سفر ہے۔ خدا
معلوم واپس آؤں یا نہ آؤں۔ راہ میں چور ڈاکوؤں کا بھی
خطہ ہے۔ یہ میری جمع پونچی۔ کچھ جواہرات اور تیس ہزار اشیاء
ہیں۔ آپ انھیں میری امانت سمجھو کر رکھ لیں۔ اگر میں تین ماہ
بعد واپس آگیا۔ تو اپنی امانت لے لوں گا۔ اگر مجھے واپس آتا
نصیب نہ ہوا۔ تو آپ اس رقم سے کوئی مسجد بنوادیں۔"
بُہلوں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

عطار نے تھیلی ہاتھ میں لی۔ اس کا بوجھ محسوس کر کے وہ
دل ہی دل میں خوش ہوا اور بولا۔ "جناب۔ آپ کا کہا سُر

چند روز پہلے ہی یہاں وارد ہوا ہوں۔ میرے پاس کچھ جواہرات
اور سونے کے سکے تھے۔ وہی میری پونچی تھی اور وہی زادِ سفر۔
میں نے اس خوف سے کہیں اجنبی شہر میں لُٹا نہ جاؤں۔
وہ جواہرات ایک عطار کے پاس امانت رکھوادیئے تھے۔ مگر
افسوں کہ آج جب میں نے اس سے اپنی امانت کا مطالبہ کیا
تو وہ مگر گیا۔ اس نے مجھے بُرا بھلا کہا اور شریر طرکوں کو یہ کہہ
کر میرے پیچے لگا دیا کہ میں پاگل ہوں۔" اس کے آنسو پہہ
نکلنے۔

بُہلوں نے اُسے تسلی دی۔ "بھائی۔ مجھے بہت افسوس
ہے کہ اس شہر میں تھمارے ساتھ ایسا سلوك ہوا ہے۔ لیکن تم
فکر نہ کرو۔ تھماری امانت تھیں ضرور ملے گی۔"

"مجھے یقین تو نہیں آتا۔ وہ عطار حد در جم حلاک اور
مکار ہے۔ لیکن امید پر دنیا قائم ہے۔ مایوسی کفر ہے۔
اس لیے میں بھی اپنی ٹولی اس پھر جوڑ لیتا ہوں۔ اگر آپ میری
جمع پونچی مجھے دلوادیں۔ تو میں عمر بھر آپ کو دُغایں دوں گا۔"
اجنبی نے کہا۔

"بھائی۔ تم نے سچ کہا کہ مایوسی کفر ہے۔ تم فکر نہ کرو۔
تھماری امانت تھیں ضرور ملے گی۔ بُہلوں نے بڑے یقین سے کہا۔
"خدا آپ کا بھلا کرے۔" اجنبی بولا۔

بُہلوں بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص نے دامن پکڑ لیا۔
بُہلوں نے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا بات ہے بھائی۔ مجھے کیوں
روکا ہے؟“
وہ پریشانی سے بولا۔ ”جناب شخ بُہلوں۔ خدا کے یہے
میری مدد کیجیے۔ ورنہ میں بے موت مارا جاؤں گا۔“

”کیوں خیریت تو ہے؟“۔ بُہلوں نے پوچھا۔

”بس خیریت ہی تو نہیں ہے۔ میری اس زبان نے
آج مجھے مرادیا ہے۔ میں نے اپنی موت کا سامان خود اپنے
ہاتھوں کیا ہے۔“ وہ تاسف سے کہنے لگا۔

”بتاؤ تو سمجھی کیا ہوا ہے؟“۔ بُہلوں نے استفسار کیا
گیا۔ بتاؤ جناب۔ اپنی حماقت کا حال اپنی زبان
سے کس طرح ہوں۔ دراصل ہوایوں کہ حاکم کوفہ کی خدمت
میں کسی نے ایک بے حد خوب صورت گدھا پیش کیا۔ سب
لوگ اس کی تعریف کرنے لگے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بہت عالی
نسل کا گدھا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ اسے خوب سدھایا گیا
ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بہت چاق و چوبندر اور مستعد ہے۔
میرے منہ سے کہیں نکل گیا کہ یہ گدھا تو اتنا داشمند ہے کہ

آنکھوں پر۔ آپ بدشگونی کی باتیں نہ کریں۔ انشاء اللہ آپ
ضرر وال پس آئیں گے اور اپنی امانت اسی طرح محفوظ رائیں گے۔
”میں آپ کا بہت مُتشکر ہوں۔ آپ نے میری پریشانی
دُور کر دی ہے۔“ بُہلوں نے تھیلی اس کے حوالے کر دی۔
اُسی وقت وہ اجنبی بھی دکان پر بیٹھ گیا اور بڑی بحاجت
سے بولا۔ ”جناب! میں نے جو امانت آپ کے پاس رکھوائی تھی۔ بڑا
کرم اُسے عنایت فرمادیجیے۔“

عطّار سوچنے لگا کہ اسے کیا جواب دے۔ اگر وہ انہار کرتا
تو بُہلوں مشکوک ہو سکتا تھا۔ کیا بخوبی اپنی امانت واپس
لے جائے اور کسی دُسرے کے پاس رکھوادے۔ بُہلوں کی تھیلی
اس کی تھیلی سے زیادہ وزنی ہے۔ بُہلوں خلیفہ کا رشتہ دار بھی
ہے۔ اس کو اکثر وہیشنر خلیفہ سے نذرانت ملتے رہتے ہیں۔
یقیناً اس کے جواہرات زیادہ قیمتی ہوں گے۔ یہ سورج کر
اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ ”وہ اجنبی کی تھیلی لا کر اسے دے دے۔“
اس شخص نے تھیلی لی اور دُعا یتیں دیتا ہوا چلا گیا۔ بُہلوں
بھی عطّار کو خدا حافظ کہہ کر رخصمت ہو گیا۔ عطّار نے بیقاری
سے وہ تھیلی کھولی تاکہ اس کی مالیت کا اندازہ کر سکے۔ یہ کیھ کر
اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ تھیلی میں لو ہے اور کا پنج
کے ڈکٹرے بھرے ہوئے تھے۔

حاضرین اور حاکم حیران رہ گئے۔ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ
گدھا تمام کتاب پڑھ چکا ہے اور اپنی زبان میں اس کا اعلان
کر رہا ہے۔ حاکم نے اس شخص کو بھاری انعام و اکرام دیا۔ وہ
خوش خوش واپس آیا اور بہلوں کی خدمت میں پہنچا۔
”جناب شیخ بہلوں۔ یہ انعام و اکرام۔ یہ سب آپ کا
حق ہے۔ اگر آپ مجھے وہ ترکیب بتاتے تو میں اپنی جان سے
بھی جاتا۔“

”نہیں بھائی۔ یہ انعام و اکرام تمھیں ہی مبارک ہو۔
میں نے تو صرف ترکیب بتائی تھی۔ گدھے کے ساتھ محنت تو
تم نے کی۔“ بہلوں نے بے نیازی سے کہا۔

قریب ہی کھڑا ہوا ایک شخص بولا۔ ”بھائی وہ ترکیب کیا
ہے۔ جس نے گدھے کو ساری کتاب پڑھوادی۔؟“
وہ شخص ہنسا اور بولا۔ ”اب تو میری جان بچ گئی ہے۔
سو اس ترکیب کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کہ جس کو پہنچ
گدھے کو پڑھوانا ہو۔ وہ اس طریقے سے پڑھاتے۔“

”ہاں بھائی بتاؤ۔ دوسرا شخص پوچھنے لگا۔“
”سنو بھائی۔ وہ کتاب جو گدھے کو پڑھانی ہو۔ اس کے
کے درمیان جو رکھ دو۔ گدھے کو دن بھر بھوکار کھو۔ اور شام کو
وہی کتاب اس کے سامنے رکھ دو۔ بھوکار گدھا کتاب کے صفحے

لے پڑھایا جاسکتا ہے۔“
بس میرا اتنا کہنا تھا کہ حاکم کوفہ نے میری بات پکڑلی۔
میرے مخالفوں نے اسے اور ہوا دی۔ یہاں تک کہ حاکم کوفہ
نے مجھے حکم دے دیا۔ کہ میں گدھے کو پڑھاؤں اور اپنا قول سچ
کر کے دکھاؤ۔ اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا۔ تو مجھے
انعام و اکرام دیا جائے گا۔ اور اگر میں کامیاب نہ ہوا۔
تو میری گردان مار دی جاتے گی۔ میں سخت مصیبت میں ہوں
بھائی بہلوں۔ میری جان پر بنی ہے۔ خدا کے لیے کوئی صورت
پیدا کرو کہ میں نجح جاؤں۔“

بہلوں بولا۔ ”بھائی غم نہ کر۔ میں تجھے ایک ترکیب بتا
دؤں گا۔ آگے جو اللہ کو منظور۔“
مُقررہ مدت بعد حاکم کوفہ نے اسے طلب کیا۔ وہ گدھے
کو لے کر اس کے دربار میں پہنچا۔ سارا دربار بھرا ہوا تھا اور
لوگ بڑے شوق سے دیکھ رہے تھے کہ۔ پڑھا لکھا گدھا۔
کیوں کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اُس شخص نے گدھے کے سامنے کتاب رکھی۔ گدھا صفحے
اللٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ تمام صفحے الٹ گیا اور جب کتاب
بند کر چکا۔ تو اُس نے زور سے پکارا۔ ڈھینچوں۔
ڈھینچوں۔ !! ڈھینچوں۔ !!

خاصے معقول اور آسودہ حال نظر آتے ہیں۔ آخر اپ اس غریب آدمی کے پیسے کیوں نہیں ادا کر دیتے۔“

”قبلہ میں تو پیسے دینے کے لیے تیار ہو۔ بلکہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ بھلائی کی کہ اسے پچھلے کھانے کے پیسے بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جو میں اتفاقاً بھنوں گیا تھا۔ لیکن یہ کچھ اور ہی حساب بتا رہا ہے۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے سارے ہی مسافروں کے کھانے کی قیمت یہ مجھ سے وصول کرنا چاہتا ہے۔“ سوداگرنے اپنا موقف بیان کیا۔

”بھلائی کس بات کی۔“ بھٹیارہ تنک کر بولا۔ ”ایک تو پہلے رقم ہی ادا نہیں کی۔ اُسی کا مجھ پر احسان جلتے ہو۔ کھانا کھایا ہے۔ تو قیمت بھی ادا کرو۔ اور خواخواہ جھگڑا نہ بڑھاؤ۔“ میکار بڑھی۔ تو کوئی قبیلے کے مقدم کو بھی بُلا لایا۔ اس نے دونوں سے کل واقعہ بیان کرنے کو کہا۔

سوداگر بولا۔ ”جناب۔! معاشرہ یہ ہے۔ کہ پچھلے سال بھی میں اسی سرائے میں بھرا تھا۔ میں نے کھانے میں ایک مُرغی اور چند انڈے کھائے تھے۔ مگر جلدی میں ہونے کی وجہ سے میں اس کی قیمت ادا نہیں کر سکا۔ میں نے سوچا کہ اگلے سال ادا کر دوں گا۔ اب میں نے اس سے اس کھانے کا حساب پوچھا ہے۔ تو ایک ہزار دینار مانگتا ہے۔ آپ ہی انصاف سے

الٹا جائے گا اور جو کھاتا جائے گا۔ اس طرح آٹھ دس دن یہ عمل دُھراوے گے۔ تو گدھا اس کا عادی ہو جائے گا کہ اس کی خوارک کتاب کے صفحوں کے درمیان ہے۔ اب جس وقت بھی گدھے سے کتاب پڑھوانے کا منظاہرہ کروانا ہو۔ تو اُسے بھوکا رکھو۔ اور کتاب کے درمیان جو بھی نہ رکھو۔ اب گدھا یہی سمجھے گا کہ صفحوں کے درمیان جو رکھے ہوتے ہیں۔ وہ بھوک سے بنتا ہو کر صفحے الٹا جائے گا۔ آخری صفحے تک جب اسے جو نہیں ملیں گے۔ تو وہ ڈھینپوں۔ ڈھینپوں کر کے اعلان کر دے گا کہ اُس نے ساری کتاب پڑھ لی ہے۔“

۲۸

ایک کارواں سرائے میں بھٹیارے اور ایک ہندستانی سوداگر کا جھگڑا ہو رہا تھا۔ دونوں میں زبردست توکارہ ہو رہی تھی۔ باقی مسافر جو سراتے میں ٹھہرے ہوتے تھے۔ انہوں نے آکر پوچھا کہ کیا مُعاشرہ ہے۔؟ بھٹیارے نے غصے سے کہا ”دیکھیے جناب۔ یہ عجیب شخص ہے کہ کھانا کھالیا اور قیمت ادا کرتے ہوتے اسے موت آتی ہے۔ ہم یوں ہی مفت خوروں کے پیٹ بھرنے لگے۔ تو کل کو بھیک مانگتے پھریں گے۔“ ایک مسافر نے سوداگر کی طرف دیکھا۔ ”جناب۔ آپ

مقدم بھٹیارے کا دوست تھا۔ اس لیے اس نے فیصلہ بھٹیارے کے حق میں دے دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ بھٹیارے کو ایک ہزار دینار ادا کرے۔

سوداگر بچارہ بہت پریشان تھا کہ اتنی رقم کہاں سے دا کرے کہ مسافروں میں سے ایک شخص بولا۔ حضرت۔ اگر کوئی مجھے ایک تیز رفتار سواری پہنچا کر دے۔ تو میں ابھی بغداد سے قاضی کو لے کر آتا ہوں۔ پھر وہ جو فیصلہ کر دے۔ اسے مان لیا جائے۔

باقی مسافروں نے اس کی حمایت کی۔ سوداگر بولا۔ ”بھا آپ میرا خچر لے جائیں۔ یہ بہت تیز رفتار ہے۔ اور خدا کے لیے قاضی صاحب کو لے کر آئیں۔ یہ قصیہ تو انہیں نہیں ہے۔ میں اتنی رقم اس کو دا کر دوں۔ تو کیا خود بھیک مانگ کر لپٹے ملک واپس جاؤں۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔ میری مدد کیجیے۔“

اس شخص نے خچر لیا اور برق رفتاری سے بغداد کی سمت روانہ ہو گیا۔ شہر چند کوس کے فاصلے پر تھا۔ وہ جلدی اپس آگیا اور بولا۔ ”قاضی صاحب کچھ مصروف تھے۔ انہوں نے آدمی کھنٹے تک آنے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ لوگ انتظار کیجیے۔ ایک۔ ایک کر کے منٹ کینے جانے گے۔ لوگ بے چینی۔“

باتیتے کہ کیا ایک مرغی اور چند انڈوں کی قیمت ایک ہزار دینار ہوتی ہے؟“

مقدم نے بھٹیارے سے کہا۔ ”کیوں صاحب۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟“

بھٹیارے نے گلا صاف کیا اور بڑے ٹھہرے سے بولا۔ ”جناب عالی۔ ابھی تو میں نے بڑی فیاضی سے کام لیا ہے۔ کہ کہیں کوئی گڑ بڑ نہ ہو اور میں کسی کا دین دار نہ بنوں۔ آپ ذرا الفضف سے غور فرمائیں۔ کہ ان حضرت نے پچھلے سال بڑے مزے سے ایک مرغی اور چھ انڈے ڈٹ کر کھائے تھے۔ اب اگر وہ مرغی زندہ ہوتی اور میں وہی چھ انڈے اس کے تیچھے رکھ دیتا۔ تو ان میں سے چوزے نکل آتے۔ وہ چوزے بڑے ہو کر انڈے دیتے۔ تو میں ان سے بھی چوزے نکلواتا۔ آپ عقلمند ہیں، خود ہی حساب لگالیں کہ ایک سال میں وہ مرغی اور چھ انڈے۔ ہزاروں مرغیوں اور چوزوں میں بدل جاتے۔ یہ سارا منافع محض اس وجہ سے میرے ہاتھوں سننے کھل گیا کہ ان حضرت نے وہ مرغی اور انڈے کھائے تھے۔ اب میں نے اسی حساب سے قیمت صرف ایک ہزار دینار لگائی۔ تو انہیں ادا کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔ اور مجھ سے جھگڑا کرنے پر تُل گئے ہیں۔“

پھر آپ سے مُعافی کا خواستگار ہوں۔ ”
 مُقدم اور حاضرین حیران ہوئے۔ بھٹیارے نے غصے سے
 کہا۔ ”خاب۔ آپ کیسے قاضی ہیں۔ جو گیہوں کے بیجوں کو
 ابال کر رہتے ہیں۔ آپ نے مقدمے کا فیصلہ کیا کرنا ہے۔ ”
 ”کیوں نہیں خاب۔ میں بالکل درست فیصلہ کروں گا
 اللشَّاءَ اللہُ۔ اور گیہوں ابالتے پر آپ کو تعجب کیوں ہے۔؟
 آپ کے یہاں تو جھنپی ہوئی مُرغیاں بھی انڈوں پر بیٹھتی اور
 پھوزے نکالتی ہیں۔ تو ابلے ہوئے گیہوں کیوں نہ ہرے ہونگے۔
 لوگ چونک گئے۔ مُقدم بھی اپنی جانبداری پر شرمند
 ہوا اور بولا۔ ”سُبْحَانَ اللَّهِ۔ حضور آپ نے تو بات ہی بات
 میں فیصلہ کر دیا۔ ”

”نہیں ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ
 بھٹیارا اور سوداگر اپنے دل سے رخشش نکال دیں اور دونوں
 گلے ملیں۔ اور بھٹیارا آئندہ جھنپی ہوئی مُرغیوں کی اولاد
 کی قیمت مسافروں سے نہ وصول کیا کرے۔ ”

شیخ جنید بغدادی۔ بغدادی کلیوں میں اپنے مُرتَدِیوں
 کے ہمراہ چلے جا رہے تھے۔ اچانک انہوں نے مُرٹکر کہا۔
 ۱۵۵

سے اس راستے کی طرف دیکھنے لگے۔ جس طرف سے قاضی صاحب
 کو آنا تھا۔ آدھا گھنٹہ گزرنا۔ پھر ایک گھنٹہ ہوا۔ لوگوں
 کی بے چینی بڑھی۔ سوداگر کی پریشانی کا ٹھکانہ نہیں تھا
 اور بھٹیارا مُونچھوں کو تاؤ دیتا۔ خوش خوش پھر رہا تھا۔
 وقت اور گزرا۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔
 اچانک بغداد کی طرف سے آنے والے راستے پر ایک
 ٹوپی نظر آئی۔ پھر گدری میں لپٹا ایک درویش نمودار ہوا۔
 ”قاضی صاحب آگئے۔ قاضی صاحب لشیف لے آئے۔ ”
 اس مسافرنے خوشی سے نعرہ مارا۔

لوگ احتراماً اٹھ گئے اور انہوں نے حیرت سے اس
 درویش کو دیکھا جس کا نام بہلوں تھا۔ وہ اپنے گردھ سے اُڑا
 اور پانی عصاٹیکتا درمیان میں آبیٹھا۔ اور بولا۔ ”حضرات ا
 میں مغذیرت خواہ ہوں کہ مجھے یہاں پہنچنے میں تائیر ہو گئی۔
 مجھے اس جھگڑے کی اطلاع مل گئی تھی۔ مگر میں جلدی نہیں
 آسکتا تھا۔ دراصل میں مقدموں کے فیصلے کرنے کے علاوہ۔
 کاشت کاری بھی کرتا ہوں۔ آج جب آپ کا پیغام مجھے ملا
 تو میں گیہوں کے یعنی ابال رہا تھا۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ
 گیہوں کے یعنی ابال لیے جائیں۔ تو پیداوار اچھی ہوتی ہے۔
 بس وہ یعنی ابالتے ہی مجھے اتنی دیر ہو گئی۔ میں ایک بار

”لوگوں کو تو تم رُوحانی تعلیم دیتے ہو۔ کیا تھیں کھانا کھانے کا طریقہ معلوم ہے؟“ بُہلُول نے پوچھا۔
 شیخ چونکے اور پھر سنبھل کر بولے۔ ”میں پشمِ اللہ کہہ کر
 شروع کرتا ہوں۔ لپنے سامنے سے کھاتا ہوں۔ چھوٹے چھوٹے
 لفے لیتا ہوں۔ دائیں طرف مُنہ میں رکھتا ہوں۔ آہستگی
 سے چباتا ہوں۔ کھانے میں شریک لوگوں کے نوالے نہیں
 گنتا۔ کھانا کھاتے ہوتے اللہ کی تَحْمَدَ کرتا ہوں اور۔ کھانا
 شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد اپنے ہاتھ دھوتا ہوں۔“
 ”واہ بھائی۔ کیا کہنے؟“ بُہلُول سر جھٹک کر اٹھا
 اور اپنا دامن جھاڑ کر بولا۔ ”تم تو خلقت کے مُرشید بنے پھر تے
 ہو۔ اور تم کو ابھی تک کھانا کھانا بھی نہیں آتا۔“ اُس
 نے اتنا کہا اور آگے بڑھ گیا۔

شیخ کے مُریدوں کو اس کا اس طرح کہنا بہت ناگوار معلوم
 ہوا۔ ان میں سے ایک غصے سے بولا۔ پیر و مُرشید۔ یہ بُہلُول
 تو بالکل پاگل ہے۔ آپ اس کی بات کا خیال نہ کریں۔“
 شیخ نے سر ہلایا۔ ”یہ پاگل ضرور ہے۔ مگر ہزار داشمند و
 پر بھاری ہے۔ اصل حقائق اسی کے پاس ہیں۔ آؤ چلو۔
 اس سے ہمیں بہت کچھ سیکھنا ہے۔“

مُرید بادلِ نخواستہ شیخ کے ساتھ چل پڑے۔ بُہلُول اپنی

”اہ، صہرا کی جاہ کہ بجھے وہاں کسی سے ملتا ہے۔“
 مُریدوں کو حیرت ہوئی۔ لیکن ان میں سوال کرنے کی
 جرأت نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے ان کے عقب میں چلتے گئے
 دیکھا کہ اینٹ کے سرہانے پر سر کھے ایک درویش مخواستِ راحت
 ہے۔ وہ اپنے آپ میں اس قدر مگن تھا کہ اسے شیخ اور
 اس کے مُریدوں کے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہیں دی۔
 شیخ نے ادب سے سلام کیا۔ ”حضرت بُہلُول۔ میرا
 سلام قبول فرمائی۔“

بُہلُول نے نگاہ اٹھائی۔ سلام کا جواب دیا اور بولا۔
 ”تم کون ہو؟“

”خُنور۔ میں جنید بغدادی ہوں۔“ شیخ نے اپنا
 تعارف کرایا۔

”اچھا۔ میں سمجھا۔ تم ہی ابوالقاسم ہو۔“ بُہلُول
 نے سوال کیا۔

”جی۔ آپ درست سمجھے۔“ شیخ نے ادب سے کہا۔

”سُنا ہے۔“ تم لوگوں کو رُوحانی تعلیم دیتے ہو؟“
 بُہلُول نے پوچھا۔

”جی ہاں۔ یہ ناچیز اپنی سی کوشش کرتا ہے۔“ شیخ نے
 عاجزی سے جواب دیا۔

"بھیج تشخص ہو تم" — بہلوں بیزاری سے اٹھ کھڑا ہوا
 "کھانا کھانا تو درکنار — تم کو تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں" —
 اس نے اپنا دامن جھٹکا اور آگے بڑھ گیا —
 مُریدوں کو سخت ناگوار گزرا — انھوں نے گھوکر رُور جاتے
 ہوتے بہلوں کی طرف دیکھا اور غصے سے بولے — "یاشخ — دیوانہ
 کس قدر گستاخ ہے — اس کو آپ کے علم اور مرتبے کا کیا اندازہ
 اسے اپنے حال پر چھوڑ دیے اور تشریف لے چلیے"

"نہیں" — شیخ بغدادی نے کہا — "یہ دیوانہ — دلائی کا
 خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے — اور مجھے اسی کی حاجت ہے — آؤ
 میرے ساتھ" —
 وہ پھر بہلوں کے پیچے چل دیے — کچھ دُرتک بہلوں اپنے
 خال میں مگن چلتا چلا گیا — پھر اس نے مُرٹکر دیکھا اور بولا —
 "شیخ بغدادی — تم میرا پیچا کیوں کر رہے ہو — نہ تم کو کھانا
 کھانا آتا ہے — نہ گفتگو کے آداب جانتے ہو — شاید سونے
 کا طور طریقہ بھی تم کو نہیں آتا ہوگا" —
 "جیسا مجھے آتا ہے — میں آپ کو بتاتا ہوں" — شیخ نے
 ادب سے کہا —

"بتاؤ" — ؟ بہلوں نے زین پر سیٹھتے ہوتے کہا —
 شیخ بھی سیٹھ گئے اور بولے — "میں جب عشاہ کی نماز

دُھن میں مسٹ چلتا چلا گیا — شیخ نے اسے نہ پُکارا نہ روکا —
 یہاں تک کہ وہ ایک دیرانے میں جا بیٹھا —
 شیخ مُحتاط قدموں سے اس کے قریب پہنچے اور اسے پھر
 سلام کیا —

بہلوں نے نیگاہ اٹھائی — "تم کون ہو؟"
 "میں شیخ بغدادی ہوں — جو کھانا کھانا بھی نہیں جانتا" —
 انھوں نے اعتراف کیا —

بہلوں نے بے نیازی سے کہا — "کھانا کھانا تو تم کو
 آتا نہیں — کیا بات کرنا آتا ہے" — ؟
 "جی — میرا خیال ہے کہ میں کسی حد تک بات کرنی جانتا
 ہوں" — شیخ نے بھجک کر جواب دیا —

"سبحان اللہ — !!! بتاؤ — تم کس طرح گفتگو کرتے
 ہو" — ؟ بہلوں نے پوچھا —

"میں اغیذا کی حد تک بات کرتا ہوں — بے موقع اور
 بہت زیادہ نہیں بولتا — سامعین کی عقل اور سمجھ کے مطابق
 گفتگو کرتا ہوں — دُنیا والوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف
 بُلاتا ہوں — میں اتنا نہیں بولتا کہ شنسے والے بیزار ہو جائیں —
 میں اپنی گفتگو میں ظاہری اور باطنی علوم کی باریکیوں کا لحاظ
 بھی رکھتا ہوں" — شیخ نے کوشش کی اس مرتبہ کوئی تسریز رہ جاتے —

جلتے تو وہ بے فائدہ ہے اور دل کی تاریخی کا سبب بتا ہے۔
بُہلوں نے بیان کیا۔
”سُبْحَانَ اللَّهِ! آپ نے میری آنکھیں کھوں دی ہیں۔“
بُہنید نے کہا۔

بُہلوں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”بات کرنے میں سب سے پہلے قلب کی پاکیزگی اور نیت کا درست ہونا ضروری ہے اور وہ گفتگو خدا کی خوشبوی کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر کسی نیا کام کی غرض سے ہوگی تو چاہے کیسے ہی الفاظ چھنے جائیں۔“ وہ مصیبت ہی مصیبت ہے۔ اس لیے خاموشی ہی میں عافیت ہے۔“ سوتے کے بارے میں جو کچھ تم نے بیان کیا۔“ وہ بھی فروغات ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ سوتے وقت دل میں کسی بھی مسلمان سے بُعْضُ هُنْدَنَةٍ اور حسد نہ ہو۔ دل میں دُنیا اور عالم دُنیا کا لالج نہ ہو۔ اور سوتے ہوتے خدا کی یادوں میں ہو۔“ شیخ بغدادی نے بے ساختہ اٹھ کر بُہلوں کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور اُسے دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوتے۔ ان کے جو مرید بُہلوں کو دیوانہ اور پاگل سمجھ رہے تھے۔ انھیں اپنے عمل پر بخالت و شرمندگی ہوئی اور انھوں نے نتے سرے سے اپنے قلب کی روشنی میں زندگی کو دیکھنا شروع کیا۔

پڑھ کر آوراد و قطائف سے فارغ ہو جاتا ہوں۔ تو سونے کے کپڑے پہن لیتا ہوں۔ اور ان آداب کو جو رسول اللہ ص اور دین کے بزرگوں کے طفیل ہم تک پہنچنے ہیں۔ ملحوظ خاطر رکھتا ہوں۔

”کمال ہے۔“ بُہلوں نے کہا۔ ”ان حضرت کو تو سونا بھی نہیں آتا۔“ اس نے اٹھنا چاہا۔ لیکن شیخ بغدادی نے داسن پکڑ لیا اور منت کرنے لگے۔

”جناب شیخ بُہلوں۔ خدا کے لیے تشریف رکھیے اور مجھے وہ سب تعلیم کیجیے جو میں نہیں جانتا۔ بلاشبہ آپ درست فرماتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

بُہلوں مسکرا یا۔ ”شیخ۔ پہلے تم سب جاننے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ اس لیے میں نے تم سے کنارا کی۔ اب تم نے اپنی ناواقفیت کا اعتراف کر لیا ہے۔ تو تم کو سکھانے میں کوئی حرج نہیں۔ تو سنو۔“

”میں ہمہ تن گوش ہوں۔“ شیخ بغدادی نے توجہ سے کہا۔ ”تم نے کھانا کھانے کے آداب میں جو کچھ بیان کیا۔“ وہ سب فروغات ہیں۔ جبکہ اصول کی اہمیت مُسلم ہے۔ تو کھانا کھانے کی اصل یہ ہے کہ جو کچھ کھایا جائے۔ وہ حلال اور حرام ہو۔ اگر حرام عذاؤ کو ایک ہزار آداب کے ساتھ بھی کھایا

عبداللہ مبارک کے دل میں بہلوں سے ملاقات کا شق ہوا۔ کسی نے بتایا کہ وہ صحرائیں ملے گا۔ عبداللہ صحرائی کی جانب روانہ ہوا۔ ایک جگہ اس نے بہلوں کو دیکھا کہ ننگے سر انگے پاؤں یا ہو۔ یا ہو پکار رہا ہے۔ وہ قریب گیا اور سلام کیا۔ بہلوں نے سلام کا جواب دیا۔

عبداللہ مبارک بولا۔ یا شیخ۔ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ مجھے بتائیے کہ زندگی کو گناہوں سے کس طرح پاک کرو۔ اپنے سرکش نفس سے کس طرح بازی لے جاؤ اور کیوں کر راؤ نجات اختیار کروں؟

بہلوں نے سادگی سے کہا۔ "بھائی۔ جو خود عاجزاً اور رشتان رہے۔ اس سے کوئی دوسرا کیا امید رکھ سکتا ہے۔ میں تو دیوانہ ہوں۔ تو جا کر کسی عالمند کو تلاش کر جو تیری فباتش پوری کر سکے۔"

عبداللہ نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "بہلوں۔ اسی لیے تو یہ ناچیز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے کہ سچی بات کہنے کی بُرّات تو صرف دیوانے ہی رکھتے ہیں۔"

بہلوں نے اس کی بات کا گئی جواب نہیں دیا اور خاموش

ہو گیا۔ عبداللہ منٹ خوش اد کرنے لگا۔ جب اس نے بہت مجبور کیا۔ تو بہلوں بولا۔

"عبداللہ۔ میری چار شرطیں ہیں۔ اگر تم قبول کرو۔ تو میں تمہیں راہِ نجات دکھادوں گا۔"

"بُسر وَ حَيْثُمْ۔! چار کیا میں آپ کی چار ہزار شرطیں مانتے کو تیار ہوں کہ راہِ نجات تو اس میں سنتی ہے۔ عبداللہ نے بے صبری سے کہا۔

"تو پھر سن۔" بہلوں کہنے لگا۔ "میری پہلی شرط یہ ہے کہ جب تو کوئی گناہ کرے یا خدا کے حکم کی نافرمانی کرے۔ تو اس کا رزق بھی مت کھا۔"

عبداللہ گھبرا یا۔ "یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی خدا کا رزق نہ کھاتے۔" بہلوں بولا۔ "تو پھر عالمند آدمی۔ خدا کی بندگی کا دعویٰ بھی نہ کرو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ جس کا کھاؤ اسی کی نمک حرامی کرو۔"

عبداللہ نے اعتراف کیا۔ "آپ سچ فرماتے ہیں۔ دوسری شرط بیان کیجیے۔"

"دوسری شرط یہ ہے کہ جب تو کوئی گناہ کرنا چاہے۔ تو خدا کی زمین سے نکل جا۔ کہ یہ دُنیا محضِ خدا ہے۔" بہلوں

”تو عبد اللہ! جب تو یہ جانتا ہے۔۔۔ کہ وہ حاضر و ناظر
ہے۔۔۔ تو پھر کیا کسی بندے کو زیب دیتا ہے کہ وہ خدا کی زمین
پر رہے۔۔۔ اس کا رزق کھاتے۔۔۔ اور اس کے سامنے ہی اس کی
نا فرمائی کرے اور پھر بھی اسے بندگی کا دعویٰ ہو۔۔۔ حالانکہ اللہ
تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔۔۔ یہ خیال نہ کرو کہ اللہ اس عمل
سے غافل ہے۔۔۔ جو ظالم کرتے ہیں۔۔۔“
عبد اللہ نے پشمیانی سے کہا۔۔۔ بہلوں میں لا جواب ہوں۔۔۔

اب آپ اپنی چوتھی شرط بیان کریں۔۔۔

بہلوں کہنے لگا۔۔۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت ملک
الموت اچانک تیرے پاس آتے۔۔۔ تاکہ خدا کے امر کو پورا کرے اور
تیری رُوح قبض کر کے لے جائے تو تو اس گھر طی ملک الموت سے
کہنا۔۔۔ اسے ملک الموت۔۔۔ ذرا تو ٹھہر۔۔۔ میں اپنے عزیزو
سے رخصت ہوں۔۔۔ اور وہ تو شہ اپنے ساتھ لے لوں۔۔۔ جو
آخرت میں میری نجات کا سبب ہو۔۔۔ پھر تو میری رُوح
قبض کرنا۔۔۔

”ملک الموت کب کسی کو مہلت دیتا ہے شیخ بہلوں۔۔۔
یہ آپ نے کیسی کڑی شرط لگادی ہے۔۔۔ عبد اللہ مبارک نے
فریاد کی۔۔۔

”تو پھر اے دشمن۔۔۔ اس دیوانے کی بات سن۔۔۔ جب تو

نے کہا۔۔۔
”اُف خُدایا۔۔۔! یہ شرط تو بالکل ہی ناقابلِ عمل ہے۔۔۔
زمین کے سوا بندہ کہاں رہ سکتا ہے۔۔۔ عبد اللہ مبارک چلایا
بہلوں بولا۔۔۔ ”عبد اللہ اتنا پریشان کیوں ہو رہا ہے۔۔۔
کیا تجھ میں ذرہ برابر بھی انصاف نہیں ہے۔۔۔ کیا تیرے خیال
میں یہ صحیح ہے کہ بندہ جس کے ملک میں رہے۔۔۔ جس کا رزق
کھاتے اور جس کی بندگی کا دعویٰ کرے۔۔۔ اس کی نافرمانی بھی
کرے۔۔۔؟

عبد اللہ نا دم ہوا۔۔۔ بہلوں بے شک آپ نے سچ فرمایا۔۔۔
اب تیسرا شرط بھی بیان کیجیے۔۔۔

بہلوں بولا۔۔۔ ”بھائی تیسرا شرط یہ ہے کہ جب تو
کوئی گناہ کرنے کا ارادہ کرے۔۔۔ یا خدا کی نافرمانی کرنا چاہے۔۔۔
تو کسی ایسی جگہ جا کر کر جہاں خدا تجھے نہ دیکھ سکے۔۔۔ نہ ہی
تیرے حال سے واقف ہو۔۔۔ جب تجھے کوئی ایسی جگہ میں جاتے
جہاں تجھے خدا نہ دیکھے۔۔۔ تو پھر جو تیرا دل چاہے کر۔۔۔

عبد اللہ بے حد پریشان ہوا۔۔۔ ”خاب شخ بہلوں۔۔۔
یہ شرط بھی ولیسی ہی کھن بن اور ناقابلِ عمل ہے۔۔۔ خدا تو حاضر
و ناظر ہے۔۔۔ وہ عالم الغائب ہے۔۔۔ وہ سب کو جانتا اور دیکھتا
ہے۔۔۔ تو پھر ایسی کون سی جگہ ہے جو اس سے پوشیدہ اور اچھی ہے۔۔۔

میں رہو۔۔۔

عبداللہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور سچائی سے بولا۔۔۔
”جناب شیخ بہلوں۔۔۔ میں نے آپ کی نصیحت کو دل و جان سے سُنا ہے اور اُسے حرزِ جان بنالوں گا۔۔۔ آپ نے مجھے اپنا مرید بنالیا ہے۔۔۔ لوگ تو آپ کو یوں ہی دیوانہ کہتے ہیں۔۔۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ آںِ محمدؐ کی صحبت اور محبت نے آپ کو یہاں تھے روزگار بنا دیا ہے۔۔۔ آپ پاگل نہیں۔۔۔ آںِ محمدؐ کے دیوانے ہیں۔۔۔“

بہلوں نے اپنی گدڑی اٹھاتی اور یہ کہتا ہوا چل پڑا۔۔۔
”بندے کو لازم ہے کہ جو کچھ کرے۔۔۔ خدا کے حکم سے کرے اور جو کچھ کہے سننے خدا کے حکم سے۔۔۔ کیونکہ وہ بندگی کا دعویٰ رکھتا ہے۔۔۔ اور خود کو خدا کا بندہ کہتا ہے۔۔۔“

جانتا ہے کہ موت سے کسی کو مفرٰ نہیں۔۔۔ ملکِ الموت کسی کو فہلت نہیں دیتا۔۔۔ گناہوں کے بیچ میں کسی وقت بھی۔۔۔
ملکِ الموت سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔۔۔ پھر ایک سانس کی بھی فہلت نہیں ملتی۔۔۔ جیسا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔۔۔
”جس وقت موت آتے گی۔۔۔ تو نہ گھٹی بھر کی دیر ہوگی، نہ جلدی۔۔۔ تو اے عبداللہ۔۔۔! تو کب غفلت سے ہوشیار ہوگا۔۔۔؟؟ دیکھ غُرُور سے دُور رہ اور آخرت کی فکر کر۔۔۔ لمبا سفر سامنے ہے اور عمر بہت مختصر ہے۔۔۔ جو کام اور عملِ خیر آج ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ آج ہی کرو۔۔۔ کیا خبر ٹوکل کونہ دیکھ سکے۔۔۔ جو وقت ہاتھ میں ہے وہی غنیمت ہے۔۔۔ اعمالِ خیر کی صورت میں آج ہی آخرت کا توشہ اپنے ہمراہ لے لے۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ کل پچھانا پڑے۔۔۔“

عبداللہ کا سر جھکتا چلا گیا اور اس کی زبان گنگ ہو گئی۔۔۔
بہلوں نے کہا۔۔۔ ”عبداللہ۔۔۔! تم نے خود ہی مجھ سے نصیحت کرنے کی فمائش کی تھی۔۔۔ جو تھیں را۔۔۔ نجات دکھادے۔۔۔ تم نے اب سر کیوں جھکایا ہے۔۔۔؟ تمہاری زبان پر تالا کیوں پڑ گیا ہے۔۔۔ تم آج میرے سامنے لا جواب ہو گئے ہو۔۔۔ تو جب کل روزِ خشر تم سے پوچھ گچھ ہوگی۔۔۔ تو کیا جواب دو گے۔۔۔ یہاں اس دنیا میں ہی اپنا حساب صاف کرو۔۔۔ تاکہ کل کے خوف سے پناہ